سیرت

خلفائے راشدین

مولانا محمد میاں صدیقی

ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار۔ لاہور

سیرت

خلفائے راشدین

رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین

محمد میاں صدیقی

ناشرانِ قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور

کتاب	خلفائے راشدین
مصنف	مولانا محمد میاں صدیقی
ناشر	ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور
مطبع	حفیظ پریس لاہور
کتابت	منور ساجد کیلانی

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	مقدمہ	۸	۱۲	صدیق اکبرؓ سے رسولِ خدا کی محبت	۴۰
۲	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۱	۱۳	ابوبکر صدیقؓ نرم خو، پُرعزم	۴۵
	(پیدائش، نام و نسب)		۱۴	رسولِ خدا سے والہانہ عشق	۴۷
۳	اسلام سے پہلے	۱۴	۱۵	آفتابِ رسالت کا غروب	
۴	اسلام کے بعد ہجرت سے پہلے	۱۷		اور	۴۸
۵	اسلام میں پہلی مسجد	۲۴		صدیق اکبرؓ کی آزمائش	
۶	اسلام کی خاطر مصائب	۲۴	۱۶	مسندِ خلافت پر	۵۴
۷	سفرِ ہجرت کا ساتھی	۲۵	۱۷	فتنۂ ارتداد اور اس کی بیخ کنی	۶۲
۸	صدیق اکبرؓ قرآن کی نظر میں	۲۹	۱۸	فتوحات اور جنگی معرکے	۶۷
۹	رسولِ خدا کی نظر میں	۳۴	۱۹	جنگ ذات السلاسل	۶۸
۱۰	ہجرت کے بعد	۳۵	۲۰	جنگ قارن	۷۰
۱۱	صدیق اکبرؓ کی انفرادی خصوصیات	۳۸	۲۱	جنگ ولجہ	۷۱

۲۲	جنگ لیس	۷۱
۲۳	فتح حیرہ	۷۱
۲۴	فتح انبار یا جنگ ذات العیون	۷۲
۲۵	جنگِ یرموک	۷۴
۲۶	وفات	۷۵
	امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۷۸
۲۷	حضرت عمر فاروقؓ نام و نسب پیدائش	″
۲۸	حضرت عمرؓ کے والد خطاب	۸۱
۲۹	بچپن	″
۳۰	ذوقِ شعری	۸۴
۳۱	تقریر و خطابت	۸۶
۳۲	قبولِ اسلام	۸۷
۳۳	ہجرت	۹۳
۳۴	فاروق کی وجہ تسمیہ	″
۳۵	اخلاق و عادات	۹۴
۳۶	رعب و دبدبہ	۱۰۰
۳۷	خوفِ خدا	۱۰۱
۳۸	ایثار و قربانی کے عملی مظاہرے	۱۰۶
۳۹	ذاتی مصارف	۱۰۸
۴۰	غزوات میں شرکت	۱۰۹
۴۱	منصب خلافت پر	۱۱۲
۴۲	وظیفے اور تنخواہیں	۱۱۴
۴۳	فوجی نظام	۱۱۷
۴۴	رعایا پروری	۱۱۸
۴۵	فضائل اور انفرادی خصوصیات	۱۲۰
۴۶	سن ہجری کی ابتداء	۱۲۶
۴۷	ازدواجی معاملات میں فاروق اعظمؓ کی روش	۱۲۸
۴۸	اولیاتِ عمرؓ	۱۳۰
۴۹	فتوحات پر اجمالی نظر	۱۳۳
۵۰	شہادت	۱۳۷
	امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	
۵۱	حضرت عثمانؓ - نام و نسب	۱۴۱
۵۲	پیدائش	

۵۳	ابتدائی حالات	۱۴۳	۷۰	جنگیں اور فتوحات	۱۶۴
۵۴	چوتھے مسلمان		۷۱	پہلی قسم	۱۶۵
۵۵	ذوالنّورین کا خطاب	۱۴۵	۷۲	دوسری قسم	۱۶۶
۵۶	اسلام کی خدمات	۱۴۶	۷۳	سازش، انقلاب اور شہادت	۱۶۹
۵۷	مسجدِ نبویؐ کی توسیع	۱۴۷	۷۴	صوبائی گورنروں سے مشورہ	۱۷۲
۵۸	غزوۂ تبوک میں رسد کا انتظام		۷۵	تحقیقاتی کمیشن	۱۷۴
۵۹	مسجدِ نبویؐ کی مرمت	۱۴۹	۷۶	مدینہ پر باغیوں کی یورش	۱۷۶
۶۰	مذہبی خدمات	۱۵۰	۷۷	دوسرا حملہ	۱۷۸
۶۱	مؤذنوں کی تنخواہیں	۱۵۱	۷۸	امیرالمؤمنین کی آخری تقریریں	۱۸۱
۶۲	اہلِ بیت کیساتھ حُسنِ سلوک		۷۹	شہادت	۱۸۴
۶۳	سخاوت	۱۵۴	۸۰	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابہ رضؓ کے اثرات	۱۸۵
۶۴	فضائل	۱۵۵			
۶۵	خلافت	۱۵۹		امیرالمؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ	
۶۶	نظامِ خلافت		۸۱	حضرت علی رضی اللہ عنہ نام و نسب	۱۸۸
۶۷	فوج میں اصلاحات	۱۶۱			
۶۸	مجلسِ شوریٰ	۱۶۳	۸۲	جاں نثاری کا پہلا مرحلہ	۱۹۲
۶۹	حکام کی نگرانی اور بازپُرس		۸۳	بھائی بھائی	۱۹۴

۸۴	حضرت فاطمہؓ سے نکاح	۱۹۴	۹۹	جنگ جمل	۲۱۶
۸۵	جہیز	۱۹۵	۱۰۰	کوفہ بحیثیت دارالخلافہ	۲۲۰
۸۶	رہن سہن	"	۱۰۱	امیر معاویہؓ سے مخالفت	۲۲۱
۸۷	امانت و دیانت	۱۹۸	۱۰۲	ایک نئی تحریک ۔ خوارج	۲۲۵
۸۸	جود و کرم	۱۹۹	۱۰۳	حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں مصالحت	۲۲۶
۸۹	ذوق عبادت	۲۰۰	۱۰۴	فتوحات	۲۲۷
۹۰	فضل و کمال	۲۰۲	۱۰۵	فوج	"
۹۱	بہت بڑا شرف	۲۰۶	۱۰۶	سرکاری ٹیکس	۲۲۸
۹۲	غزوات میں سرفروشی	۲۰۷	۱۰۷	حکام اور گورنروں کی نگرانی	۲۲۹
۹۳	غزوۂ احد میں حضرت علیؓ کی جاں نثاری	۲۰۹	۱۰۸	تاجروں کا احتساب	۲۳۰
۹۴	فاتح خیبر	"	۱۰۹	شہادت	۲۳۱
۹۵	غزوۂ حنین میں حضرت علیؓ کی ثابت قدمی	۲۱۱	۱۱۰	سیرت مرتضیٰ پر جامع تبصرہ	۲۳۲
۹۶	دعوت اسلام میں حصہ	۲۱۳	۱۱۱	حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حزن و ملال	۲۳۴
۹۷	فصاحت و بلاغت	۲۱۴			
۹۸	خلافت		۱۱۲	کتابیات	۲۳۷

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ
بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ
مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ
وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۔ (الفتح، آیہ ۲۹)

"اور جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر زورآور ہیں، آپس میں نرم دل ہیں، تو دیکھے گا اُنھیں رکوع و سجود میں اللہ کا فضل ڈھونڈتے ہیں، اور اس کی خوشنودی، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدے کے اثر سے ہے، اُن کی یہ مثال توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی۔"

مقدّمہ

کم وبیش دس گیارہ سال پہلے کی بات ہے کہ اسلام کی چند مرکزی شخصیات پر لکھنے کی تحریک ہوئی، جب اس قلبی تحریک کو عمل کی صورت نوبت کی آئی تو بظاہر یہی ہو سکتا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (فداہ ابی وامی) کی ذات گرامی کے بعد خلفائے راشدین ہی کی مقدّس ہستیاں ہیں جن سے ابتدا کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنے جدامجد، اور حضور ختم المرسلین آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے بارے میں چند صفحات لکھے۔ ان صفحات کو کتابچہ کی صورت میں محکمۂ اوقاف پنجاب نے شائع کیا، مضمون کو بہت سے اہل علم نے پسند کیا، اور لاہور کے ایک بڑے اشاعتی ادارے ناشران قرآن لمٹیڈ کے ارباب حل وعقد، اور خاص طور پر میرے مخلص اور دیرینہ کرم فرما جناب بشیر احمد قریشی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ چاروں خلفاء پر چار مضامین اس انداز سے

۔ لکھے جائیں کہ ان میں نہ کوئی فنی بحث ہو، نہ کسی قسم کے اختلافی مواد پر کوئی تبصرہ اور رائے زنی ہو، صرف ان حضرات کی شخصیتوں کا مختصر مگر جامع تعارف ہو، زبان اور انداز بیان اتنا سادہ اور سلیس ہو کہ عام مسلمان، خاص طور پر دسویں بارھویں جماعت کے طلبہ پوری طرح ان مضامین سے فائدہ اٹھا سکیں۔

قریشی صاحب کے قائم کردہ اسی معیار کو ملحوظ رکھ کر چاروں خلفاء پر مضامین لکھے، اور ناشران قرآن نے ان کو الگ الگ بہت خوبصورت طریقے سے شائع کیا۔ ہر مضمون چھوٹے سائز کے کم و بیش پچاس صفحات پر مشتمل تھا۔

اب ایک عرصہ سے ناشران قرآن کے سکریٹری جناب محمد مسعود خاں صاحب مصر تھے کہ ان چاروں مضامین پر نظر ثانی کر کے ان کو ایک جگہ بھی "خلفائے راشدین" کے نام سے چھاپا جائے

مسعود خاں صاحب کی یہ تجویز کیوں کہ کسی کاروباری تصور کی رہین منت نہ تھی بلکہ اس کی تہہ میں ان کا وہ جذبہ کار فرما تھا جو ان کے دل میں حضور علیہ السلام اور خلفائے راشدین کی بے پناہ محبت و عقیدت کی وجہ سے موجزن ہے۔

میں نے پوری کتاب میں کسی ایسے موضوع پر بحث نہیں کی جو پڑھنے

والے کے دل میں خلش پیدا کرے۔ ترتیب تالیف میں متقدمین اور متأخرین کی مستند کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ بے سند اور بے حوالہ کوئی بات نقل نہیں کی۔

بہرکیف کچھ مسعود خاں صاحب کا شوق اور لگن اور کچھ یہ احساس کہ بالکل ہی تہی دامن ہوں، خدا کے ان مقبول اور پسندیدہ بندوں کے ذکر سے شاید اُن کے غلاموں کے غلاموں میں میرا شمار ہو جائے، اور بخشش کی کوئی راہ نکل آئے۔ چاروں مضامین پر نظر ثانی اور بعض مفید اضافے کر کے ہدیہ قارئین کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی امید رکھتا ہوں، اور خلوصِ قلب سے یہ دعا کرتا ہوں کہ ناچیز راقم اور ناشرانِ قرآن کے شرکا کے لیے اس مجموعہ کو ذخیرۂ آخرت بنا دے۔ (آمین)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ط

ناچیز
محمد میاں صدیقی
۲۰ ذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

اسلام آباد

خلیفۂ رسولؐ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلیفۂ اوّل

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۵۷۳م ——— ۶۳۶م

◈◈◈

خلافت

از

۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری

تا

۲۲ جمادی الثانی ۱۳ ہجری

◈◈◈

مُدّتِ خلافت

دو سال، تین مہینے، گیارہ دن

خلیفۂ رسولؐ

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلیفۂ اوّل تاریخ میں متعدد ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں جن میں دو ناموں "ابوبکرؓ" اور "صدیقؓ" کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ آپ کے دو نام اور ہیں "عتیق" اور عبداللہؓ۔ دورِ جاہلیت میں آپ کا نام عبدالکعبہ تھا جو زمانۂ اسلام میں "عبداللہ" سے بدل گیا، آٹھویں پشت میں مرۃ بن کعب پر آپ کا نسب حضور علیہ السلام سے مل جاتا ہے، مُرّہ کے دو بیٹے تھے۔ کلاب اور تیم۔ کلاب کی اولاد میں نبی کریم علیہ السلام ہیں اور تیم کی اولاد میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ۔

آپ کی ولادت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے دو سال اور چند ماہ بعد ہوئی[1] وفات بھی دو برس تین ماہ اور چند دن بعد

---

[1] ۷ ذی قعدہ۔ تقریباً پچاس سال قبل ہجرت۔ مطابق ۵۷۳ء۔

پائی۔ اور عمر بھی تریسٹھ سال کی ہوئی۔
"خلیفۂ رسولؐ" کا مبارک خطاب تمام خلفاءِ راشدین میں بجز آپ کے اور کسی کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ باقی خلفاء "امیرالمومنین" کہلائے۔

اسلام سے پہلے

اسلام کی دولت سے بہرہ در ہونے سے قبل بھی آپ اشرافِ قریش میں سے تھے، بڑی عزت و وجاہت کے مالک تھے، تمام اہلِ مکہ کے جھگڑوں میں تصفیہ کے فرائض سرانجام دیتے، تنازعات کے فیصلوں میں آپ کی غیر جانبداری، منصفانہ طرزِ عمل اور صداقت شعاری مسلّم تھی قتل و خون کے جن واقعات کا ہونا عربوں کی زندگی کا معمول تھا اُن میں آپ ثالث مقرر کیے جاتے اور آپ کے فیصلے بے چون و چرا تسلیم کر لیے جاتے، اگر کوئی دوسری شخصیت اگر یہی کام انجام دیتی تو قریش کے سرکش قبائل اس کے فیصلہ کو تسلیم نہ کرتے اور جانبداری کا الزام لگا کر فیصلہ سے برات کا اعلان کر دیتے۔ مگر آپ کے فیصلوں کے ساتھ اس قسم کا ناخوشگوار اور منفی ردِعمل کبھی وقوع پذیر نہیں ہوا۔

قبیلہ بنو تیم اپنی تمدنی اور معاشرتی زندگی میں ہمیشہ ممتاز رہا، جس کا ایک سبب غالباً یہ بھی ہے کہ یہ قبیلہ مدتوں پہلے سے تہذیب و تمدن کے الوارد

برکات سے بہرہ یاب ہوتا رہا تھا، تجارت اس خاندان کا آبائی پیشہ تھا؛ ظاہر ہے کہ یہ کام حسنِ سلوک، نرم مزاجی، محبت، ہمدردی اور لین دین میں صفائی کی بدولت ہی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ تجارت کا مزاج درشتگی اور بدمعاملگی سے میل نہیں کھاتا۔

بہرحال قبیلۂ بنو تیم اپنی تمدنی اور معاشرتی زندگی میں جیسا بھی رہا ہو۔ **صدیق اکبرؓ** کا اپنا گھرانہ اور خاندان معاشرتی خوبیوں اور محاسن کی وجہ سے عرب کے گھرانوں میں ممتاز اور منفرد مقام رکھتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تذکرہ نگاروں نے جو بھی کچھ بیان کیا مگر اس بات پر سب متفق ہیں، کہ آپؓ صرف عہدِ اسلام ہی میں نہیں زمانۂ جاہلیت میں بھی پاکیزہ کردار کے مالک تھے، لوگوں کے ساتھ شفقت و رحمت سے پیش آتے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں وہ تمام اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے جو دوسروں کے دلوں کو موہ لیتے اور سنگِ آہن کو موم کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ اور یہی اوصاف تھے جس کی بناء پر کفارِ مکہ کا ایک فرد (ابن الدغنہ) اُس وقت جب آپؓ کفارِ مکہ کی چیرہ دستیوں سے تنگ آکر حبش کی جانب ہجرت کی نیت سے روانہ ہوئے رؤسائے قریش سے بے اختیار یہ کہہ اٹھا،

"کیا تم ایسے شخص کو نکال رہے ہو، جو اَن دیکھی چیز یعنی ثواب

آخرت کماتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے۔ لوگوں کی غم خواری کرتا ہے اور مہمانوں کی ضیافت کرتا ہے۔"[۱]

ابنُ الدّغنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راستہ سے واپس لے آیا، مگر جب اُس نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اپنی امان کی پیش کش کی تو آپؓ پکار اٹھے۔

"میں ایک کافر کی امان میں رہنا نہیں چاہتا، میرے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کی امان کافی ہے۔"[۲]

آپ اسلام اور جاہلیت دونوں ادوار میں باوقار اور وضعدار رہے، وضعداری کو چھوڑنا اپنی عزت وحمیت کے منافی سمجھتے اور شک شبہ سے ہمیشہ پرہیز کرتے۔ دَورِ جاہلیت میں بھی کبھی بُت پرستی نہیں کی۔ شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا اس لیے کہ دَورِ جاہلیت میں بھی وہ انسانی وقار کے منافی سمجھی جاتی تھی، آپ سے پوچھا گیا کہ "جاہلیت کے زمانے میں بھی شراب سے کیوں پرہیز کرتے تھے؟" فرمایا۔ "اس لیے کہ مجھے اپنی عزت وناموس

---

[۱] یہی کلمات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور علیہ السلام سے اس وقت کہے تھے جب حضورؐ کو خلعتِ نبوت سے نوازا گیا تھا۔ اللہ اکبر۔ حضور علیہ السلام کے اوصافِ مبارکہ کس درجہ آپؓ میں سرایت کر گئے تھے۔! [۲] ازالۃ الخفاء ج ۲، ص: ۱۸۸

زیادہ عزیز تھی اور میں اپنی وضعداری کو کھونا پسند نہیں کرتا تھا جو شخص شراب پیتا ہے وہ اپنی عقل اور وضعداری دونوں ضائع کرتا ہے۔"

اہلِ عرب کے انساب کا علم سب سے زیادہ آپ کو تھا، فن شعر میں اچھی مہارت رکھتے تھے، نہایت فصیح و بلیغ شعر کہتے اور ایسے ہی آپ کی نثر فصاحت و بلاغت کا پیکر ہوتی۔ مگر اسلام لانے کے بعد کبھی آپ نے شعر نہیں کہا۔

حضور سرورِ کونین علیہ السلام سے حضرت خدیجہ رض کے نکاح میں آپ کی خواہش اور کوشش کو بھی خاصا دخل تھا۔

اسلام کے بعد — ہجرت سے پہلے

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہوتے ہی سب سے پہلے اسلام لائے اور آپ سے کوئی دلیل اور معجزہ نہیں مانگا۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض ایمان لائیں، بچوں میں حضرت علی رض، غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رض اور (آزاد) مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رض، اس موقع پر حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ "ازالۃ الخفاء" میں ایک نفیس نکتہ بیان فرماتے ہیں۔

لکھتے ہیں :

" اوّلیتِ اسلام محض اس لیے وجہ فضیلت ہے کہ جو سب سے
پہلے اسلام لایا ہوگا اس کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مصائب
اور مشکلات میں زیادہ شریک ہونے کا موقعہ ملا ہوگا۔ نیز دوسروں
کے اسلام لانے کا سبب بھی بنا ہوگا، یہ دونوں باتیں تمام صحابہ بلکہ
خلفاء راشدین میں صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے ساتھ مخصوص تھیں " [1]

چنانچہ یہ بات ٹھوس تاریخی واقعات سے ثابت ہے کہ ہجرت سے قبل کے پُرخطر اور نازک دور میں جبکہ خود اپنے اسلام کا اظہار مشکل تھا دوسرے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا صرف آپ ہی کا کام تھا، قریش کے متعدد ممتاز اور باحیثیت لوگ آپ کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئے، عشرۂ مبشرہ میں سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (فاتح ایران) اور حضرت عثمان غنیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے جلیل القدر افراد آپ ہی کی ہدایت اور رہنمائی سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ اور پھر ان میں سے ہر ایک نے اسلام میں جو بلند مرتبہ پایا اس سے تاریخ کی

---

[1] ازالۃ الخفاء

کتابیں روشن ہیں، ان پانچ افراد کے اسلام لانے سے باطل کی تلوار کند ہوگئی کیونکہ یہ پانچ افراد مکہ کے چار ممتاز قبائل کے بااثر افراد تھے۔ حضرت عثمان بنی امیہ میں، حضرت زبیرؓ بنی اسد میں، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بنی زہرہ میں۔

صدیق اکبرؓ نے بلاتردّد دعوتِ اسلام پر لبیک کہا۔ اس کی جہاں عقلی اور ظاہری وجوہ تھیں وہاں بعض غیبی محرکات بھی تھے۔ جنہوں نے ابوبکر صدیقؓ کے قلب نظر کو قبولیتِ حق کے لیے آئینہ کی طرح صاف و شفاف بنا دیا تھا۔ خود صدیقِ اکبرؓ ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ:

"دورِ جاہلیت میں ایک روز درخت کے نیچے بیٹھا تھا، ایک شاخ جھکی اور میرے سر سے آلگی، میں سخت پریشان ہوا کہ یہ کیا کیا ماجرا ہے؟ اسی اثناء میں اس شاخ سے آواز آئی کہ فلاں وقت ایک پیغمبر ہوگا، چاہیے کہ اس وقت تم سعادت مندترین لوگوں میں سے ہو۔" حضرتِ صدیق فرماتے ہیں کہ "میں نے کہا ذرا واضح طور پر کہو کہ یہ پیغمبر کون شخص ہوگا، اس کا کیا نام ہوگا؟ اس شاخ سے آواز آئی، اس پیغمبر کا نام محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوگا، میں نے اس درخت سے کہا کہ جب آپؐ مبعوث ہوں تو مجھے آگاہ کرنا، جب آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس

درخت سے پھر آواز آئی - اے ابن ابی قحافہ آگے بڑھو! اب کوشش کا وقت ہے ایسا نہ ہو کوئی تم سے سبقت لے جائے؛ صبح کو آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا - آپ نے دیکھتے ہی فرمایا: "ابوبکر! میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں - میں نے جواباً عرض کیا: اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ سِرَاجًا مُّنِيْرًا اور یہ کہہ کر ایمان لے آیا - خود سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے "میں نے جس شخص کو بھی اسلام کی دعوت دی اس نے توقف اور تردد کیا سوائے ابوبکر کے کہ میں نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے بلا تردد اس کی تصدیق کی۔"[1]

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے تو سامانِ تجارت کے علاوہ چالیس ہزار درہم نقد آپ کے پاس تھے وہ سب آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور اسلام کی اشاعت میں خرچ کر دیئے، بہت سے غلام ایمان لے آئے تھے اور ایمان لانے کی وجہ سے ان کے مشرک مالک ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا رہے تھے انھیں خرید کر آپؓ نے

---

[1] ازالۃ الخفاء - ج: ۲، ص: ۱۸۵

آزاد کیا۔ ؎

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ آپ وقتاً فوقتاً صحابہ سے ان کے نیک اعمال کے بارے میں دریافت فرماتے رہتے۔ آپؐ کے پوچھنے کا مقصد یہ ہوتا کہ اپنے اصحاب کو نصیحت فرماتے رہیں۔ ایک روز صبح کی نماز کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ "آج تم میں سے کون روزہ دار ہے؟"

حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! آج رات سے روزہ کی نیت نہ تھی اس لیے آج روزہ سے نہیں ہوں۔"

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ "میں نے رات ہی سے روزہ رکھنے کا ارادہ کر لیا تھا اس لیے آج روزہ سے ہوں۔"

آنحضور علیہ السلام نے پوچھا۔ "آج تم میں سے کس شخص نے مریض کی عیادت کی؟" حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ "یا رسول اللہ! ابھی تو ہم نے نماز پڑھی ہے، اپنی جگہ سے کھسکے بھی نہیں مریض کی عیادت کیسے کرتے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! مجھے لوگوں نے بتایا تھا کہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو درد کی شکایت ہے، چنانچہ صبح سویرے

؎ ازالۃ الخفاء، ج ۲۔ ص: ۱۸۶

ہیں اُن کے گھر گیا، ان کی عیادت کی اور وہیں سے سیدھا مسجد چلا آیا۔"
آنحضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا۔ "تم میں سے آج کسی نے کوئی صدقہ کیا ہے؟" عرض کیا گیا۔ "یا رسول اللہ! میں جس وقت مسجد میں داخل ہو رہا تھا ایک ضرورت مند سوال کر رہا تھا۔ میرے پوتے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا۔ میں نے وہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور سائل کو دے دیا۔"
آنحضور علیہ السلام نے فرمایا۔ "تمہیں جنت کی بشارت ہو، تمہیں جنت کی بشارت۔" [1]

ایک بار نبی کریم علیہ السلام نے کچھ مال راہِ خدا میں دینے کے لیے فرمایا، عمر فاروق رض کہتے ہیں "میرے پاس بہت مال تھا، میں نے سوچا آج کیوں نہ ابوبکر صدیق رض سے بڑھ جاؤں۔ میں نے آدھا مال حضور کو دے دیا صدیقِ اکبر کے پاس بھی جو کچھ تھا وہ لے آئے۔
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا:
عمر رض! اہل و عیال کیلئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ آدھا۔ مگر جب حضور نے یہی سوال ابوبکر صدیق رض سے کیا تو انہوں نے کہا۔ "گھر میں جو کچھ تھا سب لے آیا ہوں۔ اہل و عیال کے لیے اللہ اور اس کے

---

[1] "عبقریۃ الصدیق" (عباس محمود العقاد)

رسول کو چھوڑا ہے۔

پروانے کو چراغ ہے اور بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے خدا کا رسُول بس

ابوبکر صدیق رض کا یہ جواب سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ میں کسی بھی مرحلہ پر ابوبکر رض سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔"

حضرت علی رض فرماتے ہیں کہ "ابوبکر رض ہر ایک سے آگے نکل جانے والے تھے، اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب بھی ہم نے کسی بھلائی کے کام میں سبقت لے جانے کی کوشش کی تو ابوبکر رض سب کو پیچھے چھوڑ گئے۔"

جب آغاز نبوت میں تبلیغ کا حکم آیا اور یہ آیت نازل ہوئی فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ "اے نبی احکام خداوندی کے لیے تکلیف برداشت کیجئے۔" تو حضرت ابوبکر صدیق رض نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ تبلیغ اسلام کی ابتدا نہ کریں، قریش کے فتنہ پرداز توحید کا بیان اور شرک و بت پرستی کا اعلان سُن کر چراغ پا ہو جائیں گے۔ مجھے ابتدا کرنے دیجئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت ابوبکر رض نے ایک عجیب خطبہ پڑھا جس میں اللہ جل شانہ کی توحید حضور علیہ السلام کی رسالت اور شرک و بت پرستی کی مذمت بیان کی، یہ تقریر ایسی عشق و محبت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ اس کا صحیح اندازہ اس کے الفاظ ہی سے کیا جا سکتا

ہے، یہ پہلا خطبہ تھا جو اسلام میں پڑھا گیا، اس کے بعد مشرکین مکہ نے ابوبکرؓ کو ایذائیں دیں اوران ایذاؤں کو "صدیقِ رسول" نے جس ذوق اور تحمل کے ساتھ برداشت کیا وہ بجائے خود ایک دفترِ عشق ہیں۔

اسلام میں پہلی مسجد

اسلام لانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنائی، یہ پہلی مسجد تھی جو اسلام میں بنائی گئی، اس میں بیٹھ کر آپؓ روزانہ صبح تلاوتِ قرآن کرتے۔ تلاوتِ قرآن اور پھر صدیقِ اکبرؓ کی زبان سے، ناممکن تھا کہ سننے والوں کے دلوں پر اثر نہ ہو، لوگوں کا ہجوم ہو جاتا، کافروں نے مزاحمت کی اور آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں مگر آپ نے سب کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور بدستور تلاوتِ قرآن اور تبلیغِ اسلام میں مشغول رہے۔

رہائی نہ خواہیم از دامِ عشق
کہ صد عید قربان ایامِ عشق

اسلام کی خاطر مصائب

نبوت کے ساتویں سال کفارِ قریش نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضور علیہ السلام، اور آپؐ کے خاندان (بنی ہاشم) کی پورے طور پر ناکہ بندی کی جائے

تاکہ آپ یا تو مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے باز آجائیں یا بھوک اور فاقوں سے ، ہلاک ہو جائیں ، کفارِ قریش نے یہ بھی طے کیا کہ بنی ہاشم کے ہاتھوں نہ کوئی شخص خرید و فروخت کرے گا اور نہ ان تک کھانے پینے کا کوئی سامان پہنچنے دے گا یہاں تک کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالہ کردیں۔

اس معاہدہ پر سب نے دستخط کر کے اسے کعبہ میں لٹکا دیا تاکہ کوئی شخص منحرف ہونے کی جرأت نہ کرے۔ حضور علیہ السلام مجبور ہو کر اپنے چچا ابوطالب اور دوسرے افرادِ خانہ کو لے کر مکہ سے باہر ایک گھاٹی میں جسے "شعب ابی طالب" کہتے ہیں چلے گئے۔ انتہائی سختی اور مصیبت کے ساتھ تین سال گزارے، درختوں کے پتے اور گھاس پھوس کھا کر زندگی کے دن پورے کیے۔ ابوبکر صدیقؓ اپنی منشاء اور خوشی سے حضور علیہ السلام کے ساتھ اس مصیبت میں شریک ہوئے۔ اور کیوں نہ ہوتے وہ ایک ایسی منزل اور مقام میں تھے جہاں انسان کو صرف اپنے محبوب کا قرب عزیز ہوتا ہے اور اس قرب اور معیتؐ سے اُسے ایک ایسی دوامی راحت محسوس ہوتی ہے جو تمام جسمانی اذیتوں پر غالب آجاتی ہے۔

سفرِ ہجرت کا ساتھی

کفارِ مکہ کے تیرہ سالہ ظلم و استبداد سہنے کے بعد جب حضور علیہ السلام کو وحیِ الٰہی کے ذریعے مکّہ مکرمہ سے ، مدینہ منوّرہ ہجرت کا حکم ہوا تو حضور

علیہ السلام نے صحابہؓ کی پوری جماعت میں اپنی معیت اور ہمرہی کے لیے صرف ابوبکر صدیق کو منتخب کیا۔ اس سفر میں جیسی کچھ مالی اور جسمانی خدمتیں صدیق اکبرؓ نے کیں اور جس عزم واستقلال کا مظاہرہ کیا، عشق ومحبت کی داستانوں میں کوئی واقعہ اس سے مافوق نہیں مل سکتا۔ "یارِ غار" کی مثل دنیا میں اسی وقت سے رائج ہوئی۔ نبی کریم علیہ السلام نے ابوبکر صدیقؓ کو اپنی رفاقت کے لیے منتخب کرکے یہ بات سب پر ظاہر کردی کہ ان کے اخلاص ومحبت پر آپ کو کامل یقین تھا اور وہی سب سے زیادہ زیرک، متحمل مزاج، مدبر، تجربہ کار اور جری تھے، کیوں کہ اس خطرناک سفر میں کوئی ایسا شخص آپؐ کے ہمرکاب نہیں ہوسکتا تھا جو ان اوصاف کا حامل نہ ہو۔

اس سفر میں پیش آنے والے مصائب کی داستان طویل بھی ہے اور دل خراش بھی۔ صحابہ اکثر وبیشتر صدیق اکبرؓ سے اس سفر کے حالات پوچھا کرتے اور ہجرت کے اس عظیم واقعہ کی تفصیلات خود ان کی زبان سے سننے کے مشتاق رہتے۔

سفر ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور ہمرکابی نے کیا مرتبہ اور اعزاز بخشا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ذکر ہوا، آپؓ رونے لگے، اور فرمایا:

"کاش میرے ساری عمر کے اعمالِ خیر ان کے ایک دن، اور ایک رات کے اعمال کے برابر ہوتے، رات تو وہ رات جب ابوبکر صدیق رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں گئے، اور دن، وہ دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اور بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، تو ابوبکرؓ نے کہا۔ زکوٰۃ کے جانور تو بڑی چیز ہیں، اگر ان کی گردن اور پاؤں کی رسی بھی روکیں گے تب بھی میں ان سے جہاد و قتال کروں گا۔"[1]

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام لانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو ایک نئی زندگی ملی، آپ کی ذات اور قلب و نظر میں ایک عظیم انقلاب آ گیا، اب سابق ابوبکرؓ — صدیقِ کاملؓ بن چکے تھے جن کے خمیر میں عشق و محبت، ایثار و وفا، سکونِ قلبی و ذہنی اور عزم و ثبات شامل تھے، اب آپ عقل سے زیادہ عشق تھے جہاں محوِ تماشائے لبِ بام ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں رہا تھا، عزم و ایثار، جرأت و شجاعت، حلم و مروت، سلامتِ فکر و نظر، ذاتِ رسول سے والہانہ عشق اور کفر و شرک کی قوتوں سے کمالِ بیزاری۔ یقیناً یہی وہ اوصاف تھے جن کی بنا پر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ

---

[1] سیرۃ الصدیق - از مفتی محمد صابر، طبع کراچی - ص: ۵۴، ۵۵

کو اپنی معیت اور ہمرکابی کے لیے منتخب فرمایا۔ اور بالآخر آپ کو ثانی اثنین فی الغار کے لقب سے نوازا گیا ؎۔

****

؎ یہ ذیل کی آیت کے حوالہ سے ہے " اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اخرجه الذين كفروا ثانى اثْنَيْن اذ هما فى الغار اذ يقول لصاحبه لاتحزن اِنَّ اللّٰه معنا " (اگر تم نے اس کی مدد نہ بھی کی تو کیا ہوا۔ اللہ نے تو اس کٹھن موقعہ پر دستگیری کی جب اسے (رسولؐ) کفار مکہ نے نکلنے پر مجبور کیا اور جب یہ نوبت پہنچ چکی تھی کہ نبی کو ایک غار میں پناہ لینی پڑی تھی جس میں اس نے (رسولؐ) اور دو میں سے اپنے ساتھی کو یہ کہہ کر ڈھارس بندھائی تھی کہ ڈرو مت! اللہ اپنے ساتھ ہے)

صدیقِ اکبرؓ — قرآنِ حکیم کی نظر میں

قرآنی آیات، اور احادیث نبویؐ میں آپ کے بے شمار اوصاف و فضائل بیان ہوئے ہیں، ان قرآنی آیات کے علاوہ جو بالعموم تمام صحابۂ کرام کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں، بعض ایسی آیات بھی ہیں جن کے بارے میں مفسرین کا اجماع ہے کہ ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی مراد ہے:

الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ الیٰ و ایدہٗ بجنودٍ لم تروھا۔

(سورہ توبہ آیۃ: ۴۰)

اور اگر تم نے رسول کی مدد نہیں کروگے تو اللہ نے اس کی مدد کی ہے، جب کافروں نے اسے مکہ سے نکالا، صرف دو نفس۔

"جب دونوں غار میں چھپے ہوئے تھے، جب پیغمبر اپنے ساتھی سے کہنے لگا تو ملول مت ہو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اپنی طرف سے اس پر تسکین اتاری، اور اس کی مدد کو ایسی فوجیں بھیجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا تھا۔"

اُمتِ مرحومہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں "صاحب" سے حضرت

ابوبکرؓ مراد ہیں۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ وہی صاحب غار تھے۔ یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عظمت شان کو ظاہر کر رہی ہے، اگر خدا کے نزدیک آپؓ کی شان اتنی بلند نہ ہوتی تو قرآن میں اس خصوصیت و اہمیت کے ساتھ آپؓ کا ذکر نہ ہوتا۔

جس شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر مبارک پر لٹا دیا اور خود ابوبکرؓ کی رفاقت میں غار ثور کی طرف نکل گئے، بلاشبہ حضرت علیؓ کی جان نثاری قابل صد آفرین ہے، مگر یہ حقیقت قابل غور ہے کہ اس پرخطر موقعہ پر حضورؐ کے دو ساتھیوں (ابوبکرؓ و علیؓ) نے جان نثاری کا بے مثال مظاہرہ کیا۔ لیکن قرآن نے دونوں کی جان نثاری اور جذبۂ ایثار و قربانی کو ایک سطح پر نہیں رکھا، صرف ابوبکرؓ صدیق کی رفاقت کا ذکر کیا، اور حضرت علیؓ کے حضورؐ کے بستر مبارک پر سونے کا ذکر نہیں کیا۔ قرآن نے جس تشخص اور تعین کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت اور فضیلت کو بیان کیا، کسی اور کی فضیلت اتنی وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کی۔

یہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابوبکر صدیقؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی فرمایا۔ اور حضور کا ثانی وہی ہو سکتا ہے جو حضورؐ کے بعد سب سے افضل و برتر ہو، بلاشبہ علمی اور عملی کمالات میں ابوبکرؓ، حضور پرنورؐ کے ثانی تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے حضورؐ نے آپ کو مقام صدیقیت عطا کیا تھا، قرآن و حدیث

کہہ رہے ہیں کہ نبی کا ثانی۔ صدیق ہی ہوتا ہے۔ مقامِ نبوت و رسالت کے بعد، مقامِ صدیقیت ہے۔

یہ اعزاز بھی صرف ابوبکر صدیق رضؓ کو حاصل ہے کہ بطورِ خاص قرآن نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب، یعنی ساتھی کہا، عربی زبان میں صاحب، اور صحابی کے ایک ہی معنی ہیں، ابوبکرؓ کی صحابیت پر یہ قرآن کا نصِ قطعی ہے۔

مکہ میں مال داروں میں امیہ بن خلف بھی تھا، اس کے بہت سے غلام تھے، ان میں حضرت بلالؓ بھی تھے۔ حضرت بلالؓ پوشیدہ طور پر دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے، آخر کار ان کے اسلام کی خبر امیہ بن خلف کو پہنچی، اس نے ان کو بلایا اور پوچھا: "تم کس کی پرستش کرتے ہو؟" بلال رضؓ نے جواب دیا۔ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی"۔ امیہ نے کہا۔ "تم اس دین کو چھوڑ دو ورنہ میں تم کو سخت سزا دوں گا۔" بلالؓ نے جواب دیا "میں اس دین کو نہیں چھوڑ سکتا تم جو چاہے سزا دو، اس بدبخت نے بلالؓ کو سزا دینے کے لیے ایک غلام کو مامور کیا، اور سزا یہ تجویز کی کہ دن چڑھے ان کے بدن میں کانٹے چبھویا کرے۔ دھوپ تیز ہو تو گرم ریت پر لٹا دیا کرے اور رات کو کوڑوں کی سزا دے، لیکن یہ دردناک سزا پانے کے بعد بھی بلال کی زبان سے "اللہ ایک ہے"، "اللہ ایک ہے"، کی ہی صدا نکلتی ایک

روز حضرت ابوبکرؓ اس گھر کے آگے سے گزرے جہاں بلالؓ قید تھے، کوڑوں کی سزا بھگت رہے تھے، ان کی نالہ و زاری کی آواز آپ کے کانوں میں پڑی، قدم وہیں رک گئے، پوچھا: کس کو سزا دی جارہی ہے؟ لوگوں نے کہا۔ امیہ کا بلال نامی ایک غلام ہے، بدبخت ہر روز اس کو اسی طرح سزا دیتا ہے، یہ اس کے آہ و بکا کی آواز ہے۔ ابوبکر صدیقؓ سے اس مجبور و بے کس غلام کی تکلیف برداشت نہ ہوئی —— اُمیّہ کے پاس گئے، اس کو سمجھایا کہ اس ظلم سے باز آجا، مگر وہ بدبخت نہ مانا، طنزیہ کہنے لگا۔ ابوبکرؓ تم بھی دولت مند ہو، اگر اس سے اتنی ہمدردی ہے تو اسے خرید کر آزاد کردو۔ ابوبکر صدیقؓ نے کہا تباؤ کیا مانگتے ہو؟ اُمیّہ بولا۔ اپنے غلام نسطاس کو دے دو اور بلال کو لے لو۔ نسطاس بڑا لائق اور ہوشیار تھا، تجارت کرتا تھا، اور دو ہزار دینار اس کے پاس جمع تھے۔ اُمیّہ کا خیال تھا کہ ایسے لائق اور کماؤ غلام کے بدلے میں بلال جیسے نکمّے آدمی کو کون لے گا۔ لیکن ابوبکرؓ کو اللہ کی رضا اور خوشنودی پر جان تک قربان کردینے کو تیار رہتے تھے، انھوں نے امیہ کی بات فوراً مان لی۔ نسطاس کو بھی اس کے حوالے کردیا اور اس کے علاوہ بھی مزید رقم اس کو دے دی اور بلالؓ کو وہاں سے چھڑا لائے۔

بلالؓ کو لاکر حضور اقدس کی خدمت میں پیش کیا، سارا ماجرا بیان کیا، اور

کہا "یا رسول اللہ! گواہ رہیئے میں نے جو کچھ کیا، یہ صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کیا۔" حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی

فاما من اعطیٰ واتقیٰ وصدق — سو جس نے خیرات کی، اور اللہ سے
بالحسنیٰ فسنیسرہ للیسریٰ — ڈرا، اور اچھی بات کو سچا سمجھا تو اس
(اللیل، آیہ: ۵) — کو راحت کی چیز کے لیے سامان دیں گے

بعض کفار کہنے لگے کہ ابوبکرؓ پر بلالؓ کا کوئی حق تھا اس لیے انہوں نے اسے خرید کر آزاد کیا، اللہ نے ان کی تردید کی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

وما لاحد عندہ من نعمۃ — بجز اپنے پروردگار اعظم کی رضا جوئی کے
تجزیٰ الا ابتغاء وجہ — اس کے ذمے کسی کا کوئی حق اور احسان
ربہ الاعلیٰ ولسوف یرضیٰ — نہ تھا کہ اس کو اتارنا ہو، اور یہ شخص عنقریب
(اللیل، آیہ: ۲۱) — خوش ہو گا۔

اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کی یہ آیت بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی:

لا یستوی منکم من انفق — جو لوگ فتح مکہ سے پہلے خرچ کر چکے،
..... تا ..... تعملون خبیر — اور لڑ چکے، برابر نہیں، وہ لوگ ان لوگوں
(سورۂ حدید، آیہ: ۱۰) — سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

خرچ کیا، اور لڑے۔ اللہ نے بھلائی

کا وعدہ سب سے کر رکھا ہے، اور

اللہ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے

اکثر مفسّرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے بارے میں ہوا، اس لیے کہ اللہ کی راہ میں سب سے پہلے اپنا مال و متاع خرچ کرنے والے ابوبکرؓ تھے اور کافروں سے سب سے پہلے لڑنے والے بھی ابوبکرؓ ہی تھے

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی نظر میں

قرآنی آیات کے علاوہ، بے شمار احادیثِ نبوی آپ کی توصیف اور منقبت میں منقول ہیں۔ چند احادیث درج کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہٗ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق سب سے زیادہ اپنی رفاقت اور اپنے مال و دولت سے مجھ پر احسان کرنے والے ابوبکرؓ ہیں اگر میں اللہ کے سوا کسی کو اپنا خلیل بنا سکتا تو ابوبکرؓ کو بناتا۔ لیکن ان سے اسلام کی محبت و اخوت ہے۔ مسجد (نبوی) میں ابوبکرؓ کی

کھڑکی کے سوا اور کسی کی کھڑکی باقی نہ رکھی جائے۔ (سب کو بند کر دیا جائے)"۔ (بروایت بخاری ومسلم)

یہ حدیث، اس طویل خطبہ کا ایک ٹکڑا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے تشریف لے جانے سے صرف پانچ روز قبل ارشاد فرمایا تھا۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات السلاسل میں مجھے امیر لشکر بنایا، مجھے یہ خیال گزرا کہ شاید حضورؐ سب سے زیادہ مجھ سے محبت کرتے ہیں میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور پوچھا: یارسول اللہ! آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ آپؐ نے فرمایا: "عائشہ سے، میں نے کہا۔ یارسول اللہ! مردوں میں؟ فرمایا: اس کے باپ ابوبکرؓ سے۔"

ہجرت کے بعد

ہجرت کے بعد اگرچہ ان روح فرسا مصائب کا خاتمہ ہو چکا تھا جو مکہ میں ہر وقت اور ہر آن منڈلاتے رہتے تھے۔ لیکن مدینہ پہنچ کر ایک نئی فعّال اور متحرک زندگی کا آغاز ہوا، جاں بازی وجاں نثاری کے وہی مرحلے درپیش رہے۔ صرف ان کی شکلیں اور پیمانے بدل گئے۔ مسلمانوں کو جہاد کی اجازت

دی گئی اور مخالفینِ اسلام سے عملی جد و جہد کے ایک طویل سلسلہ کا آغاز ہو گیا [1]۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی حیاتِ طیبہ میں انیس ۱۹ غزوات پیش آئے جن میں سب سے پہلا غزوۂ بدر اور سب سے آخری غزوۂ تبوک تھا، ان تمام غزوات میں ابوبکر صدیقؓ، حضور علیہ السلام کے ہمرکاب رہے اور بڑی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ مثلاً:

جب غزوۂ بدر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چھپّر بنا دیا گیا تو صدیقِ اکبرؓ آپؐ کی حفاظت اور معیت کے لیے اس چھپّر پر مامور ہوئے، رات بھر تلوار لے کر چھپّر کی نگہبانی کرتے رہے، جس صبح کو لڑائی کا آغاز ہونے والا تھا اس شب میں رسولِ خدا نے انتہائی بے قراری اور تضرّع و زاری کے ساتھ دعا مانگنا شروع کی خداوندا! اپنا وعدہ پورا کر، اگر تیرے یہ فرماں بردار بندے آج کے دن شکست کھا گئے تو پھر رُوئے زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا، حضرت صدیقؓ سے اپنے حبیبؐ کی یہ بے قراری نہ دیکھی گئی، حضورؐ کی ردائے

---

[1] ہجرت کا واقعہ نزولِ وحی کے تیرہ سال بعد پیش آیا جبکہ حضور علیہ السلام کا سن مبارک ترپن (۵۳) سال تھا۔

مبارک کا کونہ پکڑ کر کہنے لگے ۔ " یا رسول اللہ! بس اتنی دعا کافی ہے " آپؓ کے کہنے سے رسولِ خدا نے سر اٹھایا تو جبریل امین وحی الٰہی لیے کھڑے تھے ۔ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ یعنی ان کافروں کو عنقریب شکست دی جائے گی اور یہ پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے ۔

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ حضرت صدیقؓ کی فراست ایمانی تو دیکھو، جبرئیل وحی لے کر چلے اور ان کے قلب پر انعکاس ہو گیا اور وہ کہہ اٹھے کہ بس اتنی دعا کافی ہے ۔ اور ان کا کہنا ٹھیک ہوا[1]

غزوۂ احد میں جب مشرکین نے یہ خبر مشہور کی کہ حضور علیہ السلام شہید ہو گئے اس وقت صرف حضرت ابوطلحہؓ اور سعدؓ حضور علیہ السلام کے پاس تھے ۔ اس خبر کے بعد جو صحابہ دیوانہ وار حضورؐ کے پاس پہنچے ان میں اول ابوبکر صدیقؓ تھے ۔

غزوۂ خندق میں خندق کے ایک جانب کی حفاظت ابوبکر صدیقؓ کے ذمہ تھی، آپ اپنی جگہ اتنے مستعد اور چوکنے رہے کہ کوئی شخص ادھر سے مسلمانوں کے مورچوں میں گھسنے نہ پایا ۔

---

[1] خلفاءِ راشدین از مولانا عبدالشکور لکھنوی ص ۲۴ ، الشیخان (ڈاکٹر طٰہٰ حسین) ازالۃ الخفاء حصہ دوم ۔

غزوۂ تبوک میں لشکر کا جائزہ لینا اور امامت کرنا یہ دونوں فریضے ابوبکر صدیقؓ کے سپرد تھے، اس غزوہ کی تیاری کے لیے صدیق اکبرؓ نے اپنا کل مال حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔

صدیقِ اکبرؓ کی انفرادی خصوصیات

صدیق اکبرؓ کی یوں تو بہت سی انفرادی خصوصیات ہیں۔ مگر ان کی یہ خصوصیت یقیناً بالکل منفرد تھی کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو حضرتِ صدیقؓ پر خاص لطف و کرم فرمایا، وفات سے پانچ دن پہلے خطبہ پڑھا اور اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل بیان فرمائے اور حکم دیا کہ مسجدِ (نبوی) میں جن کے دروازے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں سوائے ابوبکر صدیقؓ کے دروازے کے لیے[1] صدیقِ اکبرؓ کی یہ منفرد خصوصیت ہی نہیں بلکہ بہت بڑا اعزاز تھا جو انھیں بارگاہِ نبوت سے عطا ہوا۔ اور پھر مرض وفات ہی میں آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا: "ابوبکر سے کہہ دو، لوگوں کو نماز پڑھائیں[2]"

---

[1] سیرت الصدیق، از حبیب الرحمٰن خان شروانی۔ سیرت ابن ہشام صفحہ ۶۰۴ اردو ایڈیشن لاہور

[2] مُرُوا اَبَا بَکرٍ فَلیُصَلِّ بِالنَّاسِ (صحیح بخاری) حضور علیہ السلام کا وصال دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو ہوا۔ بخاری شریف میں ام فضل رضی اللہ عنہا سے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور پھر عائشہ صدیقہ رضؓ کے اس کہنے پر بھی کہ "یا رسول اللہ! ابوبکرؓ نرم دل انسان ہیں وہ آپ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھا سکیں گے، آپ عمر رضؓ کو حکم دیجئے کہ وہ نماز پڑھائیں۔" حضور علیہ السلام نے یہی فرمایا:

"ابوبکرؓ سے کہہ دو، وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔!"

اور پھر جب اسلام کے دشمن سرنگوں ہو چکے اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سارے ملک میں تسلیم کی جانے لگی تو ایک دن آپؐ نے فرمایا۔ "ہم نے ہر شخص کے احسان کا بدلہ چکا دیا۔ البتہ ابوبکرؓ کے احسانات ایسے ہیں کہ ہم اُن کا بدلہ دینے سے قاصر ہیں، ان کی جزا خدا دے گا، جتنا ابوبکر کا روپیہ میرے کام آیا کسی دوسرے کا نہیں آیا۔" [۱]

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)۔ روایت ہے کہ "حضور علیہ السلام نے جو سب سے آخری نماز پڑھائی وہ جمعرات (۸ ربیع الاوّل) کے روز مغرب کی نماز تھی اس میں آپؐ نے سورۂ والمرسلات کی تلاوت کی" البتہ دس یا گیارہ ربیع الاوّل کو آپؐ کا مزاجِ مبارک کچھ ہلکا ہوا تو آپؐ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، آپؐ ابوبکرؓ کی بائیں جانب جا کر بیٹھ گئے اور باقی نماز لوگوں کو آپؐ نے پڑھائی، اب آپؐ امام تھے اور ابوبکرؓ آپؐ کی اقتدار کر رہے تھے۔ باقی نمازیوں نے ابوبکرؓ کی تکبیر دں پر نماز ادا کی۔ ("سیرۃ المصطفیٰ" از مولانا محمد ادریس صاحب جلد ۳، ص ۱۹۹)

[۱] "تاریخ الاسلام" از ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن (مصر ۱۹۵۳ء) جلد ۱ ص ۲۲۱

صدیق اکبرؓ سے رسُول خدا علیہ السلام کی محبت

شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال اُبھرا ہو کہ اُبو بکرؓ کی شخصیت نبی کریم علیہ السلام کی نگاہوں میں اس درجہ محترم اور محبوب کیوں تھی ؟ اور آپ کو نبی خدا کا وہ قرب کیوں حاصل ہو گیا تھا جو کسی دوسرے کا حصّہ نہ بن سکا۔ اس بات کا جواب ایک موقع پر نہیں بار بار خود جناب رسالت مآب نے دیا۔ ایک بار حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا۔ "آپ کی نگاہ میں سب سے محبوب شخصیت کس کی ہے ؟" تو آپؐ نے جواب دیا۔ "ابُو بکرؓ" !

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے اپنی وفات سے پانچ روز قبل ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ابو بکر صدیقؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

"تحقیق سب سے زیادہ اپنی رفاقت اور مال و دولت سے مجھ پر احسان کرنے والے ابو بکر صدیقؓ ہیں ، اگر میرے لیے یہ ممکن ہوتا کہ میں اس اُمت میں کسی شخص کو اپنا خلیل بنا سکتا یعنی اسے وہ محبت دے سکتا جو محبت کی سب سے آخری منزل ہے اور جسے صرف باری تعالیٰ کے لیے مخصوص کیا جا سکتا ہے تو میں یقیناً اس کے لیے ابو بکر صدیقؓ کا انتخاب کرتا ، تاہم جب تک ہم دونوں اس

دنیا میں ہی ہماری برادری اور رفاقت باقی رہے گی"۔ [1]

اس سے بڑھ کر ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا:

"ہم پر کسی کا احسان نہیں کہ ہم نے اس کی مکافات نہ کردی ہو سوائے ابوبکرؓ کے، کہ ان کے ہم پر اتنے احسانات ہیں کہ ان کی مکافات قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی کرے گا"۔ [2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں تشریف فرما رہے ہر روز، بلکہ صبح و شام ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے جاتے رہے اور پھر مکہ سے مدینہ جاتے وقت یعنی ہجرت کی انتہائی نازک اور کٹھن گھڑی میں بھی آپؐ نے ابوبکرؓ ہی کو ہمرکابی کا شرف بخشا، تمام معاملات میں مساوات کے لیے بھی ابوبکرؓ

---

[1] علامہ سیوطیؒ "تاریخ الخلفاء" میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے، کیوں کہ اس کو چودہ [14] جلیل القدر صحابہ نے روایت کیا ہے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ابن عباس، ابن مسعود، ابن زبیر، جندب بن عبداللہ، براء بن عازب، کعب بن مالک، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک، ابوواقدی لیثی، ابوالمعلیٰ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم اجمعین، مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس حدیث کے راوی ہیں۔

[2] ازالۃ الخفا حصہ دوم، ص: ۱۸۶

ہی کو ترجیح دیتے، آپؐ تمام امور میں ابوبکرؓ کو کیوں ترجیح دیتے تھے، اس کا صرف ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ ابوبکرؓ میں صدیقی صفات موجود تھیں۔ آزاد مردوں میں آپ پہلے شخص ہیں جسے اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے کا لافانی شرف حاصل ہوا، آپ کے اسلام کا مزاج عمیق ترین صدق دلی، اخلاص کوشی اور صداقتِ باطنی سے معمور تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات آپ کے لیے ابدی صداقتوں کی حامل تھی، آپ نے ہر موقع پر حضور علیہ السلام کے لیے ایثارِ نفس کیا، دین و دانش کی ہر آزمائش میں پورے اترے، اُمت کو بڑی بڑی نفسیاتی اور سیاسی آزمائشوں سے نکالا، حدیث اور تاریخ و سیر کی کتابیں اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ جب آنحضورؐ نے ایک روز صبح لوگوں میں یہ اعلان کیا کہ "میں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک گیا اور پھر وہاں سے مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا۔" تو ایک طرف قریش نے آپؐ کی بات کو سچ ماننے سے انکار کر دیا اور دوسری طرف خود مسلمان بھی تذبذب میں پڑ گئے کہ حضور علیہ السلام کی اس بات کو سچ جانیں یا نہ جانیں۔ مگر شک اور تذبذب کی اس فضا میں بھی ایک شخص ایسا موجود تھا جس نے بغیر کسی تردد، شک و شبہ اور لیت و لعل کے اس بات کو پورے خلوص اور اذعان و یقین کے ساتھ قبول کیا۔ یہ عظیم المرتبت شخص ابوبکرؓ تھے۔

اسی طرح تاریخ و حدیث کی کتابوں نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ حضور علیہ السلام

نے جب مشرکین مکہ سے بظاہر وہ رعایت بخش معاہدہ کیا جو "صلح حدیبیہ" کے نام سے موسوم ہے تو صرف ابوبکر ہی وہ واحد شخص تھے جنہوں نے اس معاہدہ پر اطمینان کا اظہار کیا تھا ورنہ تمام لوگ حتیٰ کہ جلیل القدر صحابہ تک اس معاہدہ کی شرائط سے مضطرب اور بے چین تھے۔ بلکہ ایک گونہ خفگی کا اظہار کر رہے تھے، فاروق اعظم جیسے جلیل القدر صحابی جو آنحضرت سے بے حد قریب تھے اور جنہیں آنحضرت اہم امور اور مشوروں میں دوسروں پر ترجیح دیتے تھے حتیٰ کہ کئی بار عمر فاروقؓ نے جو رائے دی وحیِ الٰہی نے بھی اس پر توثیق کی مہر ثبت کر دی۔ مگر اس معاہدہ کی شرائط سے وہ بھی مطمئن نہ تھے اور آپؓ نے مضطرب ہو کر حضور علیہ السلام سے یہ سوال کیا تھا کہ ——

"جب مسلمان حق پر ہیں اور مشرکین مکہ یقیناً باطل پر، تو پھر دین کے معاملہ میں کس بات نے ہمیں رعایت بخشی پر مجبور کیا۔ اور مسلمانوں نے اپنے ظالم اور بد عہد حریفوں کے بالمقابل اپنے مفاد کو پس پشت ڈال کر صلح کرنا کیوں مناسب سمجھا؟"

آنحضرت نے حضرت عمرؓ کے اس سوال کے جواب میں فرمایا:

"مجھ میں عبودیت کی صفت ہے اور میرا اور اللہ کا رشتہ عبد اور معبود کا رشتہ ہے اور اللہ کبھی بھی اس امر کی اجازت نہ دے گا کہ اس کا پرستارِ اعظم اس کی راہ میں ضائع اور برباد ہو جائے۔"

اس گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اس مسئلہ پر اپنا

اطمینان کرنا چاہا اور عجیب اتفاق کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی وہی جواب دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ تاریخ اور تذکرے کی کتابوں میں شائد ایک بھی ایسا واقعہ نہ مل سکے جس سے یہ بات ثابت ہو کہ صدیق اکبرؓ نے اپنی زبان یا عمل سے کوئی ایسا قدم اٹھایا ہو جس سے جنابِ رسالتمآب کی طبیعت میں معمولی سی ناخوشگواری بھی محسوس ہوئی ہو۔ آپؓ کی یہ روش اسلام میں داخل ہونے کے بعد سے زندگی کے آخری مرحلہ تک باقی رہی۔[1]

ابوبکر صدیقؓ — نرم خو، پُرعزم

ابوبکر صدیقؓ کے طرز عمل میں دو متضاد صفتیں نظر آتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ ابتدا اسلام سے اپنی نرمیٔ طبع اور رقتِ قلب کے لیے مشہور تھے۔ شائد آپ کی یہی رقتِ قلبی اور نرم خوئی تھی جس نے آپ کو اس بات پر مجبور کیا تھا کہ اسیرانِ بدر کے بارہ میں حضورؐ سے سفارش کریں کہ انھیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور قتل نہ کیا جائے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ انھیں قتل کر دیا جائے۔ حضور علیہ السلام نے ابوبکر صدیقؓ کی رائے مانی اور اسیرانِ بدر کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا، عمر فاروقؓ نے قتل کی رائے

---

[1] "الشیخان" — ڈاکٹر طٰہٰ حسین

اس لیے دی کہ ان کے پیش نظر مسلمانوں کے ساتھ اہلِ قریش کی سنگدلی، شقاوت اور ظلم وستم کی طویل داستان تھی جسے بھلا دینا نہ صرف فاروقِ اعظمؓ بلکہ دوسرے مسلمانوں کے لیے بھی مشکل تھا۔ ابوبکر صدیقؓ نے فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے اس لیے دی کہ فدیہ کی رقم مسلمانوں کے جنگی مصارف کے کام آسکے گی۔ اس رائے اور عمل کو اللہ جل شانہٗ نے ناپسند فرمایا اور سورۂ انفال کی تین آیتیں اس بارہ میں نازل ہوئیں، ان آیات کے نزول نے حضورِ انورؐ اور ابوبکر صدیقؓ دونوں کے قلوب پر گہرا اثر ڈالا۔ لیکن اس شدید تأثر کے بعد بھی ابوبکر صدیقؓ کی روش میں وہی نرمی اور مروّت کے عناصر شامل رہے، مگر جس وقت خلافت کی ذمہ داریاں آپ کو سونپی گئیں، اور آپؓ نے دیکھا کہ کچھ لوگ خود ساز نبیوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ کچھ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر رہے ہیں، کچھ شر پسند مسلمانوں کو ناحق قتل کر رہے ہیں تو یہ دیکھ کر آپ پوری شدت، سخت گیری اور عزم کے ساتھ ان فتنوں کی سرکوبی کے لیے آگے بڑھے۔ تمام صحابہ اس معاملہ میں ابوبکرؓ کے خلاف تھے۔ اُن کی رائے تھی کہ ایسے پُرآشوب دور میں جبکہ اندرونِ ملک مختلف قبائل شورشوں پر آمادہ ہیں اپنی طرف سے لڑائی میں پیش قدمی کرنا خلافِ مصلحت ہے، فتنہ پردازوں کے خلاف جہاد و قتال میں سب سے آگے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ ہو سکتے تھے مگر یہ دونوں بھی حالات کی نزاکت سے متأثر

تھے اور لڑائی کو قرینِ مصلحت نہیں سمجھتے تھے۔ عمر فاروق رض نے کہا،
" اے خلیفۂ رسول اللہ! یہ سختی کا وقت نہیں۔ اس وقت تالیف قلب
اور حیلہ سے کام لیجئے۔"

عمر فاروق رض کی زبان سے یہ بات سن کر ابوبکر صدیق رض کو غصہ آگیا اور فرمایا " اَجَبَّارٌ فِی الجَاھِلِیَّۃِ وَخَوَّارٌ فِی الاِسلام۔ اے عمر! تم جاہلیت میں تو بڑے تند خو تھے مگر اسلام میں آکر ایسے نرم ہو گئے؟" سنو! اِنَّہُ الدِّیْنُ دَانْقَطَعَ الوَحْیُ اَیُنْقَصُ وَاَنَا حَیٌّ۔" دین کامل ہو چکا، وحیِ الٰہی بند ہو گئی۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میری زندگی میں دین کے اندر قطع و برید کی جائے؟ حضرت عمر رض فرماتے ہیں کہ " حضرت صدیق رض کی یہ باتیں سن کر میں نے سمجھ لیا کہ اللہ نے اُن کا سینہ کھول دیا ہے۔"

نرم خو، بردبار اور حلیم الطبع ابوبکر رض میں اس تشدد اور سخت گیری کی کیا وجہ تھی؟ اس موقع پر یا اس کے علاوہ اور کسی مرحلہ پر ابوبکر رض نے جب بھی شدت اور تند خوئی کا مظاہرہ کیا اس کی تہ میں آپ کو صرف ایک وجہ ملے گی۔ اور وہ یہ کہ ابوبکر صدیق رض نے ہر اس معاملہ میں سختی دکھائی جہاں اللہ اور اس کے رسول ص کا سوال آگیا اور کسی ایسی بات کے پیش آجانے کا اندیشہ ہوا جو ایمان و اذعان کو مجروح کرنے والی ہو۔ ابوبکر صدیق رض اپنوں کی خاطر اور حق کے لیے انتہائی نرم خو، نرم دل اور حلیم تھے۔ مگر باطل کے

مقابلہ میں اتنے ہی سخت اور تند خو، اپنوں کے لیے دست و بازو اور غیروں کے لیے شمشیرِ بُرّاں درحقیقت آپ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ کی مکمل تفسیر تھے۔ چنانچہ خدا اور رسولؐ کے معاملہ میں آپ نے تند خوئی کا مظاہرہ اس وقت بھی کیا جب آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن نے مشرف باسلام ہونے کے بعد آپ سے کہا "میدان بدر میں ایک روز آپ میرے سامنے آگئے تھے مگر میں نے باپ سمجھ کر آپ کو نظر انداز کر دیا۔"

بیٹے کی یہ بات سن کر ابوبکرؓ کے تیور بدل گئے اور ایک ایسے فیصلہ کن انداز میں بولے جس میں رسولِ خدا کا سچا جاں نثار ہی بول سکتا ہے۔ فرمایا:
"مگر بیٹا! اگر تم میری زد میں آجاتے تو ہرگز بچ کر نہ جاتے۔"

رسولِ خدا سے والہانہ عشق:

صدیق اکبرؓ کی زندگی کا ہر ہر واقعہ اس بات کا گواہ ہے کہ انہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا عشق تھا۔ رسولؐ کے عشق میں سب سے اوّل مال و متاع لٹانے والے ابوبکرؓ تھے، رسولؐ خدا کی حمایت میں سب سے پہلے مار کھانے والے ابوبکرؓ تھے، رسولِ خدا کی معیّت کا شرف حاصل کرنے کی خاطر سب سے پہلے گھر بار چھوڑنے والے ابوبکرؓ تھے۔

تذکرہ نگاروں نے رسول خدا سے ابوبکر صدیقؓ کی والہانہ محبت اور

عشق کے بے شمار واقعات نقل کیے ہیں مگر آپ جہاں جہاں بھی دیکھیں اور غور کریں یہ بات ضرور نظر آئے گی کہ عشق کی اُن منزلوں میں پہنچنے کے بعد بھی جہاں آدمی 'حدودِ نیاز' سے گزر کر 'مقامِ ناز' میں داخل ہو جاتا ہے ابوبکرؓ نے کبھی حدودِ نیاز سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی۔ جس کے ثبوت کے لیے صرف یہ ایک واقعہ اور آپؓ کا طرزِ عمل کافی ہے کہ باوجودیکہ حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں مگر کیونکہ "زوجۂ رسول" تھیں اس لیے (اس شرف کے حصول کے بعد) ان کو "عائشہ" کہہ کر نہیں پکارتے تھے۔ اُم المومنین کہہ کر پکارتے۔ سننے اور پڑھنے والوں کے لیے شاید یہ بات بظاہر نظر کسی خاص اہمیت کی حامل نہ ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ابوبکرؓ کے اس ایک 'بظاہرِ نظر' معمولی سے طرزِ عمل میں رسولِ خدا سے بے پناہ عشق اور اظہارِ عظمت و جلال کی ایسی داستان وابستہ ہے جو شاید ہی دنیا کے کسی واقعہ سے وابستہ ہو [1]۔

آفتابِ رسالتؐ کا غروب اور ابوبکر صدیقؓ کی کڑی آزمائش

ابوبکر صدیقؓ کو ایک کڑی آزمائش کا سامنا اس وقت ہوا جب ابھی

---

[1] عبقریۃ الصدیق از عباس محمود العقاد۔

آپ نے خلافت کی باگ ڈور بھی نہیں سنبھالی تھی، یہ آزمائش تھی جناب رسالت مآب کا وصال۔

اگرچہ یہ آزمائش حضرت ابوبکرؓ کی ذات کے لیے مخصوص نہ تھی بلکہ اس میں سب ہی صحابہ شریک تھے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس نازک ترین اور حوصلہ شکن سانحہ پر ابوبکر صدیقؓ کا ردِّ عمل بھی وہی تھا جو دوسرے تمام صحابہؓ کا تھا؟ اس کا جواب ہمیں یقیناً نفی میں ملتا ہے۔ صحابہ نے جس وقت حضور علیہ السلام کے وصال کی قیامت خیز خبر سنی تو اُن کے ہوش و حواس اڑ گئے۔ جو بھی اس جاں گداز واقعہ کو سنتا تھا حیران و ششدر رہ جاتا تھا، عثمان ذی النورینؓ سکتہ کے عالم میں تھے، علی مرتضیٰؓ شدّتِ غم کو ضبط نہ کر سکے اور روتے روتے بیہوش ہو گئے، ازواج مطہرات پر رنج والم کا پہاڑ لوٹ پڑا، عمر فاروقؓ کی پریشانی واضطراب "فاروقی" رنگ میں جلوہ گر ہوئی، وہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے کہنے لگے: "منافقین کا گمان ہے کہ حضورِ پُرنور کا وصال ہو گیا، آپؐ کا وصال ہرگز نہیں ہوا آپؐ اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں، جس طرح موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر خدا تعالیٰ کے پاس گئے تھے اور پھر واپس آ گئے۔ خدا کی قسم اسی طرح آپؐ بھی واپس تشریف لائیں گے اور منافقوں کا قلع قمع کریں گے۔" حضرت عمرؓ جوش میں تھے تلوار نیام سے باہر تھی اور کسی کی مجال نہ تھی یہ کہہ سکے کہ آنحضرت

علیہ السلام کا وصال ہو گیا — ابوبکر صدیقؓ آنحضرت علیہ السلام کی نظر میں محبوب ترین شخصیت تھے اور ابوبکرؓ سب سے زیادہ جان و دل سے فدائے پیغمبر تھے۔ اس اعتبار سے ظاہر ہے کہ اُن کے دل و دماغ پر آنحضور علیہ السلام کی رحلت کا کیا اثر ہو گا! لیکن تاریخ گواہ ہے کہ صرف ابوبکرؓ ہی کی شخصیت تھی جو بے خطر اس آگ میں کود پڑی اور بلا جھجک وہ اس آزمائش سے گزر گئے۔ ابوبکرؓ نے اس مرحلہ پر بھی انتہائی صبر و استقلال کا عملی ثبوت بہم پہنچایا اور ایسے صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا جس کی توقع صرف صدیق اکبرؓ سے ہو سکتی تھی۔ جب آپ نے حضور علیہ السلام کی رحلت کی خبر سُنی تو فوراً مسجدِ نبویؐ پہنچے۔ حجرۂ مبارکہ کی طرف بڑھے اور عائشہ صدیقہؓ سے اجازت لے کر اندر داخل ہوئے۔ تمام ازواج مطہرات آنحضور علیہ السلام کے بسترِ مبارک کے گرد بیٹھی ہوئی تھیں۔ ابوبکر صدیقؓ کی آمد کی وجہ سے عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ تمام ازواجِ مطہرات نے پردہ کر لیا۔ صدیق اکبرؓ نے حضور علیہ السلام کے چہرۂ انور سے چادر ہٹائی، پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔ آپؓ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور آپ کہہ رہے تھے:

"میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپکو دو مرتبہ موت سے ہمکنار نہیں کرے گا، جو موت آپ کے لیے لکھی گئی تھی وہ آ چکی۔"

یہ کہہ کر حجرۂ مبارک سے باہر آئے دیکھا کہ عمرؓ جوش میں بھرے ہوئے ہیں صدیق اکبرؓ

نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے۔ اے عمر! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا" انک میت وانھم میتون، سب لوگ ابوبکر صدیق رضؓ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپؓ منبرِ نبوی کی جانب بڑھے، با آوازِ بلند لوگوں سے کہا۔ خاموش ہو کر بیٹھ جائیں، سب لوگ بیٹھ گئے۔ صدیقِ اکبر رضؓ نے حمد و ثنا کے بعد یہ خطبہ پڑھا:

اما بعد! جو شخص تم میں سے اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ تحقیق اللہ زندہ ہے اور اس پر موت نہیں آسکتی اور اگر بالفرض کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو جان لے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وفات پا گئے، اور نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ کے ایک رسول جن سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں سو اگر آپؐ کا وصال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں تو کیا تم دینِ اسلام سے واپس ہو جاؤ گے۔ ؟ اور جو شخص دینِ اسلام سے واپس ہو گا تو وہ اللہ کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو انعام دے گا۔

اور اللہ نے اپنے نبی کو مخاطب بنا کر کہا کہ بے شک آپ مرنے والے ہیں اور یہ سب لوگ بھی مرنے والے ہیں، ہر چیز فنا ہونے والی ہے صرف خداوندِ جلال کی ذاتِ بابرکات باقی رہے گی، ہر نفس موت کا مزا چکھنے والا ہے۔

قیامت کے دن سب کو اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا۔ صدیق اکبرؓ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی عمر دراز کی اور ان کو باقی رکھا یہاں تک کہ اللہ کے دین کو قائم کر دیا اور اللہ کے حکم کو ظاہر کر دیا۔ اللہ کے پیغام کو پہنچا دیا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، پھر اللہ نے آپؐ کو اپنے پاس بلا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو ایک صاف اور سیدھے راستہ پر چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ اب جو ہلاک اور گمراہ ہوگا وہ حق واضح ہونے کے بعد گمراہ ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ جس کا [illegible] سمجھ لے کہ اللہ تو زندہ ہے اُسے کبھی موت نہیں آ سکتی اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اور ان کو خدا جانتا تھا وہ جان لے کہ اس کا معبود ختم ہو گیا! اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اللہ کے دین کو مض[illegible] اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھو تحقیق اللہ کا دین قائم و دائم رہے گا، اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا، اللہ اس کا مددگار ہے جو اس کے دین کی مدد کرے، اللہ اپنے دین کو عزت اور غلبہ دینے والا ہے، اللہ کی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے وہی نورِ ہدایت اور شفاء دل ہے، اسی کے ذریعے اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو راستہ بتلایا اور اس میں اللہ کی حلال و حرام کردہ چیزوں کا ذکر ہے۔ خدا کی قسم ہمیں اس شخص کی ذرہ برابر پروا نہیں جو ہم پر

فوج کشی کرے (یہ باغیوں اور مرتدین کی طرف اشارہ تھا) تحقیق اللہ کی تلواریں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں وہ اس کے دشمنوں پر کھنچی ہوئی ہیں، وہ تلواریں ہم نے ابھی تک رکھی نہیں اور خدا کی قسم ہم اپنے مخالف سے اب بھی اسی طرح جہاد کریں گے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کیا کرتے تھے، پس مخالف خوب سمجھ لے اور وہ اپنی جان پر ظلم نہ کرے۔" [1]

صدیق اکبرؓ کا یہ خطبہ دینا تھا کہ لوگوں کی حیرت کا عالم دور ہو گیا اور حقیقت کے چہرہ سے نقاب اٹھ گیا، لوگوں کو یقین ہو گیا کہ آنحضرت کا وصال ہو گیا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا لوگوں نے اس سے پہلے یہ قرآنی آیات سُنی ہی نہیں تھیں اب جسے دیکھو وہ یہی آیتیں تلاوت کر رہا تھا۔

---

[1] ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ زیادہ تر قرآنی آیات پر مشتمل ہے، اصل عربی عبارت کے لیے "البدایۃ والنہایۃ" جلد ۵ ص ۲۴۳ و سیرۃ المصطفیٰ (مولانا محمد ادریس کاندھلوی ج ۲ ص ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۲، ۲۱۳ ملاحظہ کریں۔ تطویل کے خوف سے ترجمہ پر اکتفا کیا۔

ابُوبکر صدیق رضؓ ـــ مَسندِ خلافت پر

بارہ ربیع الاوّل سنہ ۱۱ ہجری کو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا جاں گداز واقعہ پیش آیا۔ اس جاں کاہ واقعہ کے کچھ دیر بعد ہی خبر ملی کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہیں اور حضور علیہ السلام کی جانشینی کا مسئلہ درپیش ہے۔ ابوبکر صدیق رضؓ کو کسی شخص نے یہ خبر دی کہ انصار سعد بن عبادہ رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور ان کو امیر اور خلیفۃ الرسول بنانے پر مُصر ہیں، یہ خبر سُن کر حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ ابوعبیدہؓ بن الجراح کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے تاکہ اس اہم مسئلہ کا کوئی بہتر فیصلہ کرا سکیں اور باہمی نزاع کی صورت پیدا نہ ہو۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ سقیفہ میں پہنچے تو دیکھا وہاں سعد بن عبادہ کمبل لپیٹے بیٹھے ہیں، انہیں بخار چڑھا ہوا ہے۔ انصار ان کو گھر سے لے آئے تھے تاکہ امیر بنا سکیں، ابوبکرؓ و عمرؓ کے پہنچنے کے بعد سعدؓ بن عبادہ کھڑے ہوئے اور ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

"ہم انصار یعنی دینِ اسلام کے مددگار ہیں اور لشکرِ اسلام ہیں اور تم اے گروہِ مہاجرین ہم میں ایک قلیل جماعت ہو، اور بتحقیق تمہاری قوم

کی ایک قلیل جماعت ہمارے یہاں آکر پناہ گزیں ہوئی اور اب وہ ہم
سے ہمارا حقِ خلافت وامارت چھین لینا چاہتی ہے۔" لہ

تقریر ختم ہونے کے بعد مسئلۂ انتخاب پر بحث شروع ہوئی، مہاجرین نے سعد بن عبادہ کے موقف پر اعتراض کیا اور کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّلین اصحاب ہیں کیونکہ آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ ہم آپؐ کا قبیلہ اور گروہ ہیں، ہم نے آپؐ کے ساتھ ہجرت کی، اپنے عزیز، اقربار، وطن اور زمین وجائداد کو خیر باد کہا اور مدینہ آئے، اس پر بعض انصار بولے۔ اچھا، ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے، اور دونوں امیر باہم صلاح ومشورہ سے امور خلافت سرانجام دیں۔ مگر خود سعدؓ بن عبادہ نے اس تجویز کی مخالفت کی اور کہا" یہ پہلی کمزوری ہے"۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ کچھ بولیں مگر صدیق اکبرؓ نے کہا۔ تم ٹھہرو! حضرت عمرؓ بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور فرمایا:

"تحقیق اللہ جل شانہ، نے ہم میں ایک رسولؐ بھیجا جو اُمت کی نگہبانی
کرے تاکہ لوگ ایک اللہ کی عبادت کریں، یہ لوگ آپؐ کی بعثت سے

لہ تفصیل کے لیے رجوع کیجیے۔ سیرت مصطفیٰ (مولانا محمد ادریس کاندھلوی) جلد ۳ ص ۲۳۲ تا ص ۲۴۳ وتاریخ الکامل ابن اثیر جلد ۲، ص ۱۲۵

پہلے پتھر اور لکڑی کے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے تھے، عرب کو اپنے آبائی دین کا چھوڑنا بہت شاق گزرا پس حق تعالیٰ نے آپ کی قوم میں سے مہاجرین اوّلین کو توفیق بخشی کہ سب سے پہلے ایمان لائے. سب سے پہلے آپ کی خدمت کی اور آپؐ کے غمگسار بنے، قوم کی طرف سے جو سخت سے سخت تکلیفیں پہنچیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کیا، قلتِ تعداد کے باوجود دشمنوں سے گھبرائے نہیں اور کسی حال میں آپؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ پس مہاجرینِ اوّلین تمام لوگوں میں سب سے اوّل ہیں جنہوں نے رُوئے زمین پر اللہ کی عبادت کی اور اس کے رسول پر ایمان لائے، یہی لوگ آپ کے قرابت دار ہیں اور آپؐ کی رحلت کے بعد سب سے زیادہ خلافت کے حق دار یہی ہیں؛ اس معاملہ میں سوائے ظالم کے اور کوئی ان سے نہیں جھگڑ سکتا۔ اے گروہ انصار! تمہاری فضیلت اور اسلام میں سبقت کا کسی کو انکار نہیں، اللہ نے تم کو پسند کیا کہ اپنے رسول اور دین کا تم کو مددگار بنائے اور اپنے رسولؐ کو تمہاری طرف ہجرت کرائی۔ پس مہاجرین اوّلین کے بعد ہمارے نزدیک تمہارا ہی مرتبہ ہے۔ لہٰذا ہم امیر ہوں اور تم وزیر اور تمام امور حکومت تمہارے مشوروں سے سرانجام دیئے جائیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ صدیقِ اکبرؓ نے یہ بھی فرمایا:
"اے گروہِ انصار! خدا کی قسم ہم تمہاری فضیلت اور تم نے اسلام کی جو خدمت کی ہے اس کے ہرگز منکر نہیں لیکن تم جانتے ہو کہ قبیلۂ قریش کو جو عزت و وجاہت عرب میں حاصل ہے وہ کسی اور قبیلہ کو نہیں اور عرب کے باشندے سوائے قریش کے کسی کی امارت تسلیم نہیں کر سکتے اس لیے قریش امیر ہوں گے اور انصار وزیر، اے انصار! اللہ سے ڈرو اور اسلام میں تفرقہ کی داغ بیل ڈالنے والے تم نہ ہو۔ میری رائے ہے کہ منصب خلافت کے لیے دو آدمی بہت موزوں رہیں گے۔ ایک عمر فاروقؓ دوسرے ابوعبیدہؓ، ان میں سے جس کے ہاتھ پر بھی بعیت کر لو گے فلاح پاؤ گے اور وہ یقیناً تمہارا بااعتماد امیر ثابت ہوگا۔"[1]

حضرت ابوبکرؓ کی اس تقریر کے بعد حباب بن المنذر بن الجموحؓ کھڑے ہوئے اور کہا "مناسب ہوگا اگر ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے منتخب کر لیا جائے۔"

اس کے جواب میں ابوبکرؓ بھی بولے اور عمرؓ بھی۔ مگر دونوں کے جواب میں بالکل

---

[1] سیرت مصطفیٰ۔ جلد ۳، ص ۲۳۴

مختلف اندازِ فکر کارفرما تھا، ابوبکرؓ کے جواب میں عشق غالب تھا اور فاروقِ اعظمؓ کے جواب میں عقل، ابوبکرؓ نے کہا۔ "حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے الائمۃ من قریش۔ (خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔) فاروقِ اعظم بولے۔" دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سماسکتیں، ایک عورت کے دو شوہر نہیں ہوسکتے۔ پھر ایک حکومت کے دو امیر کیسے ہوسکتے ہیں۔" صدیقِ اکبرؓ نے جو حضور علیہ السلام کا ارشاد پیش کیا اس کی بشیر بن سعد انصاری اور دوسرے بہت سے انصار و مہاجرین نے تصدیق کی، حباب بن منذر وغیرہ جو انصار کی خلافت پر مُصر تھے حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ابوبکر صدیقؓ کی زبانی سن کر خاموش ہوگئے، زید بن ثابتؓ جو کاتبِ وحی تھے کھڑے ہو کر کہا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے اس لیے خلیفہ بھی مہاجرین میں سے ہوگا۔ جس طرح ہم حضور علیہ السلام کے انصار (مددگار) رہے اسی طرح اب خلیفہ رسولؐ کے انصار و مددگار بن کر رہیں گے اور پھر ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر کہا" لوگو! یہ تمہارے خلیفہ ہیں ان کے ہاتھ پر بیعت کرو۔" [۱]

بہرحال ابوبکر صدیقؓ باجماعِ مہاجرین و انصار خلیفہ منتخب ہوگئے۔

بیعت کے بعد جلسہ برخواست ہوگیا، یہ بیعت بارہ ربیع الاول دوشنبہ کی شام کو ہوئی (اسی روز حضور علیہ السلام کا وصال ہوا تھا) اس مجلس میں خاص

---

[۱] سیرت مصطفیٰ جلد ۲۔ ص ۳۱۵، سیرت مصطفیٰ جلد ۳ ص ۲۳۶، ص ۲۳۸

خاص لوگوں نے بیعت کی، بیعتِ عامہ حضور علیہ السلام کی رحلت سے اگلے روز سہ شنبہ کو مسجد نبوی کے منبر پر لی گئی۔ بیعتِ عامہ سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مختصر سا خطبہ دیا جس میں آپؓ نے کہا:

"میرا خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہمارے بعد ہو گی مگر اب جبکہ ہمارے حضورؐ وفات پا گئے (تو انشاء اللہ دین میں کوئی خلل واقع نہ ہو گا) اس لیے کہ اللہ جل شانہٗ نے تمہارے درمیان ایک نورِ ہدایت (قرآن) باقی رکھا ہے جو تمہاری ہدایت کا ذریعہ ہے اور حضورؐ پر نور کے بعد ابوبکر صدیقؓ تم میں موجود ہیں جو رسولِ خدا کے یارِ غار اور ثانی اثنین (دو میں کے ایک) ہیں، آپؐ کے صاحب خاص اور رفیق باختصاص ہیں۔ اے مسلمانو! بتاؤ! اللہ نے ثانی اثنین اذ ہما فی الغار کہا ہو، کون ہے جس کو اللہ نے اپنے رسول کا صاحب خاص کیا ہو (اذ یقول لصاحبہٖ) اور کون ہے کہ بطور خاص اللہ کی معیت و حمایت اس کے ساتھ ہو (اِنَّ اللہَ معنا) اے مسلمانو! ہم تم میں امورِ مملکت کے سب سے زیادہ حقدار ابوبکرؓ ہیں مسلمانو! اس لاثانی کی طرف بڑھو اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرو، رسول اللہ کے ہاتھ کے بعد یہ دوسرا ہاتھ ہے۔"

عمر فاروقؓ کے ان چند افتتاحی اور تعارفی کلمات کے بعد ابوبکر صدیقؓ منبر

پر چڑھے اور عام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ؎۱

اس مرحلہ پر بھی ابوبکر صدیق رضؓ نے "مقامِ نبی" کو ملحوظ رکھا اور منبر کے اس درجہ پر نہیں بیٹھے جس پر نبی علیہ السلام تشریف فرما ہوتے تھے بلکہ اس سے ایک درجہ نیچے بیٹھے اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

" لوگو! میں تمہارا امیر مقرر کیا گیا ہوں، میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر غلط کام کروں تو میری اصلاح کر دینا، صداقت، امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ جو شخص تم میں سے کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے تاآنکہ میں اس کی تکلیف دور نہ کر دوں اور جو تم میں سے قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کر لوں، جو قوم جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیتی ہے اللہ اس قوم کو ذلیل کرتا ہے اور جس قوم میں بے حیائی اور بدکاری پھیل جاتی ہے تو پوری قوم پر کوئی بلا نازل ہوتی ہے، تم میری اطاعت کرو جب میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت نہیں، اب نماز کے لیے اٹھو!

؎۱ البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ صـ ۲۴۸

اللہ تم پر رحم فرمائے۔"[1]

ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں سے خطاب کے دوران یہ بھی فرمایا کہ :

"خدا کی قسم میں نے امارت و خلافت کی کبھی خواہش نہیں کی نہ میں نے علانیہ یا خفیہ اللہ سے دعا کی، میں نے صرف اس خیال سے امارت قبول کی کہ کہیں مسلمانوں میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے۔"

خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد ابوبکرؓ بے حد رنجیدہ اور ملول ہوئے کہ میں نے اس بارِ امانت کو کیوں اٹھایا۔ آپؓ اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ فاروق اعظمؓ آپ کے پاس آئے تو آپؓ نے انہیں ملامت کی کہ مجھے خواہ مخواہ اس مصیبت میں پھنسا دیا، لوگوں میں عدل وانصاف کرنا دشوار کام ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ بیعت لینے کے بعد صدیق اکبرؓ تین روز تک گھر کے دروازے بند کیے بیٹھے رہے اور جب مسجد نبوی میں تشریف لائے تو منبر پر کھڑے ہو کر یہ فرماتے۔

"اے لوگو! میں تمہاری بیعت واپس کرتا ہوں جس سے چاہے تم لوگ بیعت کر لو۔" آپ بار بار یہی کہتے۔ حضرت علیؓ کھڑے ہوتے اور جواباً کہتے "خدا کی قسم یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، بیعت نہ ہم آپ کو واپس

---

[1] کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۲۹

کریں گے اور نہ آپ سے واپس لیں گے، کون ہے جو آپ کو پیچھے ہٹائے جبکہ اللہ کے رسولؐ نے آپ کو آگے کیا۔" لہ

فتنۂ ارتداد کی ابتداء اور اس کی بیخ کنی

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دس سوا دس سال کی مدت میں جزیرۃ العرب میں اسلام کی دعوت عام کر دی اور تعلیم قرآن کی بنیاد رکھ دی۔ ذہنی انقلاب ابھی پورے طور پر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا اس لیے حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد بعض فتنہ پردازوں اور اسلام دشمنوں نے فائدہ اٹھانا چاہا، جزیرۃ العرب میں حضورؐ کے تین بڑے حریف تھے۔ یمن میں اسودِ عنسی، یمامہ میں مسیلمہ اور نجد میں طلیحہ۔ اسودِ عنسی کا تو خاتمہ حضور علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ ہی میں ہو گیا لیکن مسیلمہ اور طلیحہ نے کافی اثر و رسوخ پا لیا، طلیحہ کا اثر و نفوذ اتنا بڑھا کہ کئی قبیلے باغی ہو کر اس کے ساتھ مل گئے اور مدینہ پر خطرہ بن کر منڈلانے لگے۔ ان نازک اور ناسازگار حالات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو خلافت کی باگ ڈور سنبھالی لہ۔

لہ کنز العمال بحوالہ سیرتِ مصطفیٰ جلد ۳۔ ص ۲۵۵

لہ فتنۂ ارتداد کے سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اتنے فتنے اور فساد کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

جب ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو اسلام کے نوخیز پودے کو بادِ صرصر کا سامنا تھا۔ مدینہ کے منافق اپنے تئیں خوش تھے کہ بس اب چند روز میں اس نئے مذہب کی بساط الٹا چاہتی ہے، مدینہ سے باہر صرف دو مضبوط قبیلے یعنی قریش اور ثقیف ایسے تھے جو بہ تمام و کمال اسلام پر قائم رہے ورنہ اکثر و بیشتر قبائل میں ارتداد کا فتنہ پھیلا۔ بہت سے قبیلوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ معلمین قرآن اور محصلین زکوٰۃ کو تنگ کیا اور وہ اپنے اپنے صدر مقاموں سے بھاگ آئے۔ ان باتوں نے جہاں اندرونِ ملک خلفشار پیدا کر دیا وہاں زکوٰۃ اور محاصل کی آمدنی بھی کم ہو گئی۔ لیکن ابوبکرؓ ان خطرات اور مشکلات سے ذرہ برابر بھی متاثر اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ باوجود کوئی ایک شخص بھی ایسا دائرۂ اسلام سے نہیں نکلا جو قدیم الاسلام، راسخ العقیدہ یا مذہب میں راسخ ہو چکا ہو۔ اوّل تو بہت کم لوگ کلیتہً دائرہ اسلام سے خارج ہوئے ورنہ زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی تھی کہ جو دیگر تمام ارکانِ اسلام کی تسلیم اور بجا آوری کے باوصف ادائیگی زکوٰۃ کے منکر ہو گئے تھے۔ اس فتنہ کی بنیادی وجہ تھی کہ بعض فتنہ جو اور خود ساز نبیوں نے حضور علیہ السلام کی رحلت کے بعد ایسے لوگوں کو اکسایا جو جدید الاسلام تھے، جن کی معلومات بھی پختہ نہ تھیں اور وہ ابھی مذہب میں راسخ العقیدہ بھی نہیں ہوئے تھے۔ اکثر مؤرخین نے فتنۂ ارتداد کے ذکر میں اس بات کی تصریح اور تجزیہ نہیں کیا جس سے بعض لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ ایک بھی قدیم الاسلام اور راسخ العقیدہ شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوا۔

ہراساں نہیں ہوئے۔ بلکہ مشکلات نے آپؓ میں ہمیشہ سے زیادہ عزم وہمت پیدا کردی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور فیضانِ تربیت نے آپ میں جو وثوق، سکونِ قلب اور اذعان ویقین کی کیفیت پیدا کی تھی خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد آپ نے اس کا عملی مظاہرہ کیا۔

بارہ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری کو مسندِ خلافت سنبھال کر متوقع خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سب سے پہلے اسامہ بن زیدؓ کی وہ مہم روانہ کی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں مشرقی اردن بھیجنا چاہتے تھے لیکن اپنی علالت اور مرضِ وفات کی وجہ سے روانہ نہ کر سکے تھے؛ اس مہم کو بہت سے فہیم اور صاحب الرائے صحابہ کرامؓ خلافِ مصلحت سمجھتے تھے کیوں کہ خطرہ کی گھنٹی بج چکی تھی اور مدینہ پر ہر طرف سے خطرات منڈلا رہے تھے۔ مگر ابوبکر صدیقؓ مصلحت اندیشی کی جگہ حکم رسولؐ بجالانا زیادہ ضروری سمجھتے تھے، ان کے اعتقاد میں حکم رسول کی بجا آوری تمام تر خیر وبرکت کا سرچشمہ تھی۔ چنانچہ آخر ربیع الاوّل میں یعنی اپنی خلافت کے دس پندرہ روز بعد ہی حضرت اسامہ کی سرکردگی میں ایک فوج شام کی طرف روانہ کی۔

جیشِ اسامہ کی روانگی کی خبر پورے ملک میں پھیل گئی اور مشہور ہوگیا کہ مرکزِ خلافت خالی ہے۔ چنانچہ مدینہ کے شمال، شمالِ مشرق اور شمال مغرب کے چھوٹے بڑے تقریباً ایک درجن قبیلوں نے اسلام سے آزاد ہونے یا زکوٰۃ سے

نجات پانے کے لیے باہم معاہدہ کر کے مدینہ کو گھیر لیا۔ ان قبیلوں کی قیادت طلیحہ کا نامزد جنرل رحبال کر رہا تھا۔ ان متخالف قبیلوں کا ایک گروہ مدینہ منورہ آیا۔ بہت سے صحابہ سے ملا اور ان سے کہا کہ آپ حضرات خلیفۃ الرسولؐ سے ہماری سفارش کریں کہ ہم زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ نماز ادا کر سکتے ہیں، اگر زکوٰۃ معاف نہ کی گئی تو ہم مزاحمت کریں گے، ابوبکر صدیقؓ جو فطرتاً نرم حلیم اور فیاض طبیعت انسان تھے اس معاملہ میں کسی رعایت کے لیے قطعاً تیار نہ تھے۔ آپؓ نے صاف صاف کہہ دیا کہ "زکوٰۃ کی معافی تو درکنار اگر یہ لوگ زکوٰۃ کے اونٹ یا بکری کی اس رسی کو بھی روکیں گے جو حضور علیہ السلام کے زمانے میں دیتے تھے تو میں ان سے قتال کروں گا۔" اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اس وقت صدیق اکبر زکوٰۃ کے معاملہ میں کسی رعایت بخشی پر آمادہ ہو جاتے تو یقیناً دین اسلام میں قطع و برید کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جسے شاید بند کرنا ناممکن ہوتا۔ جیسا کہ خود آپؓ نے فرمایا تھا تَمَّ الدِّینُ وانقطع الوحي اینقص وانا حیؓ۔

اسامہؓ کو روانہ کرتے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو جو نصیحتیں کیں وہ یقیناً سپہ سالارِ فوج کے لیے ایک زریں دستور العمل ہے۔ آپ نے فرمایا— "خیانت نہ کرنا، جھوٹ نہ بولنا، بدعہدی نہ کرنا، بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا، کھانے کی ضرورت کے علاوہ جانوروں کو ذبح نہ کرنا، لوگوں کو نرمی سے اسلام کی دعوت دینا، لوگوں کے مراتب کا خیال رکھنا،

جب کھانا سامنے آئے تو اللہ کا نام لے کر شروع کرنا، عیسائیوں اور یہودیوں کے جو لوگ ترکِ دنیا کر کے عبادت گاہوں میں بیٹھے ہوئے ہوں ان سے تعرض نہ کرنا، جن کاموں کے کرنے کا حضور علیہ السلام نے حکم دیا ہے ان میں کمی اور زیادتی نہ کرنا۔"

اُدھر جیشِ اسامہؓ رومیوں سے برسرِ پیکار تھا اِدھر مرتدین یہ سمجھ کر مدینہ کے اطراف میں جمع ہو گئے کہ مرکزِ خلافت افواج سے خالی ہے۔ لیکن صدیق اکبرؓ کی دوررس نگاہیں اس خطرہ کو بھانپ چکی تھیں۔ چنانچہ مدینہ آنے والے چار راستوں پر آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زیرِ قیادت مورچے بٹھا دیے تھے۔ ان متخالف قبیلوں نے اپنے وفد کی واپسی کے تین روز بعد مدینہ پر حملہ کر دیا، مورچوں پر معین چار دل صحابہؓ نے حملہ کو روک لیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اطلاع بھیج دی، اس وقت اگرچہ بڑی بے سروسامانی کا عالم تھا مگر ابوبکر صدیقؓ ایک مختصر سی فوج لے کر خود مدینہ سے نکلے، لڑائی ہوئی: شدید مقابلہ ہوا، دشمنانِ اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے، طلیحہ کا نامزد جنرل حبال مارا گیا۔ اس فتح سے مسلمانوں کے قدم جم گئے، مدینہ کی آبرو محفوظ رہی اور مرتد قبائل میں گھرے ہوئے مسلمانوں کو ایک گونہ ڈھارس بندھی۔

یوں تو مرتدین سے کئی معرکے ہوئے اور سب کے سب انتہائی سخت اور حوصلہ فرسا تھے مگر مسیلمہ کذاب کا معرکہ ان سب میں شدید تھا۔ اس کے

مقابلہ کے لیے صدیقِ اکبر رض نے دو لشکر روانہ کیے۔ ایک عکرمہ رض کی زیر کمان اور دوسرا شرجیل بن حسنہ رض کے زیر امارت، مگر مسیلمہ کی طاقت اتنی زبردست تھی کہ ان دونوں لشکروں کو کوئی خاص کامیابی نہ ہوسکی تو پھر صدیقِ اکبر رض نے سپہ سالارِ اسلام حضرت خالد بن ولید رض کو امیر لشکر بنا کر بھیجا، مسیلمہ کے ساتھ چالیس ہزار کا جنگجو لشکر تھا۔ مسلمانوں کی تعداد صرف تیرہ ہزار[1] اور بعض روایتوں کی بنا پر سترہ ہزار تھی، گھمسان کا رن پڑا۔ اللہ جل شانہ، نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازا، مسیلمہ کذاب خود بھی قتل ہوا اور اس کے دس سے سترہ ہزار تک حواری مسلمانوں کے ہاتھوں مقتول ہوئے، تقریباً سات سو مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رض نے ۱۲ ہجری کا آغاز ہونے سے پہلے یعنی صرف دس ماہ کی قلیل مدت میں فتنۂ ارتداد پر قابو پالیا، محرم ۱۲ ہجری تک پورا جزیرۃ العرب مشرکین و مرتدین سے پوری طرح پاک و صاف ہوچکا تھا اور عرب کے کسی گوشے میں شرک و ارتداد کی کوئی سیاہی باقی نہ تھی۔

فتوحات اور جنگی معرکے

فتنۂ ارتداد کے استیصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رض کو صرف

---

[1] تاریخ الاسلام از اکبر شاہ نجیب آبادی جلد ۱، ص ۲۹۹

سترہ ماہ (کم وبیش) کی مختصر ترین مدت ملی جس میں آپ نے دشمنانِ اسلام کے خلاف جنگی کارروائیاں کیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ صدیق اکبرؓ نے کتنا سخت و اہم کام کتنے نازک اور محدود وقت میں کس خوبی اور حسنِ تدبیر کے ساتھ سرانجام دیا اور اسلام کی روحانی و مادی حالت اور ظاہری و معنوی شان کو کس عظمت و جبروت کے ساتھ قائم رکھا۔

سترہ ماہ کی مختصر مدت میں صدیق اکبرؓ نے کتنی جنگی کارروائیاں کیں اور کتنے علاقے فتح کیے۔ اس کی تفصیل کی تو یہاں گنجائش نہیں۔ صرف اجمالی طور پر ہی اُن جنگی کارروائیوں کا ذکر ہو سکتا ہے جو "صدیقی دور" میں کی گئیں۔

جنگِ ذات السلاسل

مختلف تعزیری معرکوں اور چھاپہ مار مہموں کے بعد مسلح اور منظم طور پر جو جنگ لڑی گئی وہ "جنگ ذات السلاسل" کے نام سے مشہور ہوئی، یہ جنگ عراق میں دریائے دجلہ کے کنارے مقام "اُبلّہ"[1] پر لڑی گئی۔ یہ عراق کا ایرانی صوبہ تھا جس کا نام حفیرؔ تھا اور دربار ایران کی طرف سے ہرمزؔ نامی

[1] اس مقام پر اب بصرہ آباد ہے، جنگ ذات السلاسل کے لیے اسلامی لشکر محرم ۱۲ ہجری میں روانہ کیا گیا۔ (سیرت الصدیق۔ حبیب الرحمٰن خان شروانی)

ایک نہایت دلیر اور جنگجو آدمی اس علاقہ کا گورنر تھا، اس معرکہ میں اسلامی لشکر کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی اور سپہ سالار خالدؓ بن ولید تھے، آغازِ جنگ سے پہلے خالدؓ بن ولید نے ہرمز کو دعوتِ اسلام دی تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے۔ مگر اسلام کی سعادت اس کے نصیب میں نہ تھی، اس نے لڑائی کو اختیار کیا، خالدؓ بن ولید نے اس دَور کی جنگی روایت اور دستور کے مطابق مجاہدین کی صفوں سے آگے بڑھ کر مقابل طلب کیا۔ ہرمز خود مقابل آیا، خالدؓ بن ولید نے پہلے ہی دار میں اس کی تلوار چھین لی، ہرمز تلوار چھنتے ہی حضرت خالدؓ سے لپٹ گیا۔ خالدؓ نے اس کو کمر سے پکڑ کر اٹھایا اور زمین پر پٹک دیا، قبل اس کے کہ وہ سنبھلنے پائے اس کا سرِ تنِ ناپاک سے جدا ہو چکا تھا۔ اپنا سالار قتل ہونے کے بعد ایرانی دستے مجاہدینِ اسلام کی صفوں پر جھپٹے، گھمسان کا رن پڑا، اللہ نے مسلمانوں کو غالب کیا، ایرانی پسپا ہو گئے، ہرمز کا تاج جس کی قیمت ایک لاکھ دینار تھی خالدؓ بن ولید کو عطا کیا گیا۔ [1]

اس لڑائی میں ایرانی فوجوں کے کئی دستوں نے اپنے پاؤں میں زنجیریں باندھ لی تھیں تاکہ میدانِ جنگ سے نہ بھاگ سکیں۔ مگر جب میدانِ کارزار میں "اللہ کی تلوار" کوندی تو زنجیریں توڑ کر بھاگنا پڑا۔ اسی بناء پر اس لڑائی کا نام "جنگِ

---

[1] "تاریخ الاسلام" اکبر شاہ نجیب آبادی - "سیرت الصدیق" حبیب الرحمٰن شروانی

ذات سلاسل" مشہور ہوا۔

جنگِ قارن

ہرمز کو جب خالدؓ بن ولید نے حملہ سے پہلے دعوتِ اسلام دی تو اس نے دربارِ ایران کو قاصد روانہ کیا تھا، اس قاصد کے پہنچنے کے بعد ہرمز کی مدد کے لیے ایران کے ایک اور بہادر سردار قارن کی زیر سرکردگی مزید فوج روانہ کی گئی، مگر اس فوج کے پہنچنے سے پہلے ہرمز ایک داستانِ پارینہ بن چکا تھا، شکست خوردہ فوج اپنے مرکز کی طرف لوٹ رہی تھی، راستہ میں قارن کا فوجی دستہ ان سے ملا، قارن نے ان کی ہمت بندھائی، اور آگے بڑھ کر نہر کے کنارے مورچہ بندی کی، اُدھر سے اسلامی لشکر بھی آگے بڑھا، جنگ ہوئی۔ ایرانیوں کے تینوں بڑے سردار قارن، انوشجان اور قباد مارے گئے، تین ہزار لاشیں میدانِ جنگ میں چھوڑ گئے، بھاگتے ہوئے بہت سے نہر میں ڈوب گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔

اس لڑائی کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے اس صوبہ کی رعایا کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائے بغیر جزیہ کی ادائیگی پر آمادہ کیا اور عامل مقرر کر دیئے اور ایرانی عوام نے اسلامی حکومت میں آنے کے بعد ایسا امن اور سکون محسوس کیا جس سے وہ ناآشنا تھے۔

جنگِ دلجہ

قارن کے مارے جانے اور اس کے لشکر کی شکست کی خبر سن کر مدائن سے ایک اور لشکر غازیانِ اسلام سے بدلہ لینے کی غرض سے روانہ ہوا حضرت خالدؓ بن ولید کو علم ہوا کہ "دلجہ" میں ایرانیوں کا لشکرِ عظیم جمع ہے اور مسلمانوں پر حملہ کیا چاہتا ہے۔ خالدؓ بن ولید نے ایرانیوں کے حملہ آور ہونے سے قبل ہی ان پر حملہ کر دیا، یہاں بھی ایرانی لشکر کو شکست ہوئی۔ [1]

جنگِ لیس

دلجہ سے پسپائی کے بعد ایرانی مقام لیس میں جمع ہو گئے۔ ان میں ایرانیوں کے علاوہ عرب عیسائیوں کی کافی تعداد تھی، اس اجتماع کے بارہ میں بھی مسلمانوں کو علم ہو گیا اور غازیانِ اسلام نے خالدؓ بن ولید کے زیر کمان ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ انتہائی خوں ریز جنگ ہوئی، جب ایرانی اپنے ستر ہزار جوانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور انہیں خاک و خون میں تڑپتے دیکھا تو ہتھیار ڈال دیے

فتح حیرہ

جنگِ لیس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید نے "حیرہ" کا محاصرہ

[1] "تاریخ اسلام" اکبر شاہ نجیب آبادی جلد ۱ صفحہ ۳۱۶

کرلیا، جب محاصرہ طویل ہوا اور شہر والے عاجز ہو گئے تو حیرہ کا رئیس عمرو بن عبدالمسیح دوسرے رؤساء کو لے کر خالدؓ بن ولید کی خدمت میں حاضر ہوا اور تقریباً دو لاکھ روپیہ خراج قبول کر کے صلح کر لی۔ حیرہ کی فتح کے بعد خالدؓ بن ولید نے ضرارؓ بن الازور، ضرارؓ بن الخطاب، قعقاعؓ بن عمرو، مثنیٰؓ بن حارثہ، عیینہؓ بن الشماس وغیرہ کو حیرہ کے اطراف و جوانب میں چھوٹے چھوٹے فوجی دستے دے کر روانہ کیا، ہر ایک قبیلہ اور ہر ایک بستی نے جزیہ یا اسلام قبول کیا۔ اور اس طرح دریائے دجلہ تک کا تمام علاقہ خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔ خالدؓ بن ولید حیرہ میں مقیم رہ کر قرب و جوار کے علاقوں کی مہمات کا انتظام اور نگرانی کرتے رہے۔

فتح انبار یا جنگ ذات العیون

ایرانیوں نے انبار میں ایک عظیم لشکر جمع کیا۔ خالدؓ بن ولید حیرہ میں تھے آپ کو اس اجتماع اور ایرانیوں کے جنگی عزائم کا علم ہوا تو آپ نے خود ہی پیشقدمی کی اور غازیانِ اسلام کو لے کر انبار کی طرف روانہ ہو گئے، ایرانیوں نے اسلامی لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے زبردست مورچہ بندی کی ہوئی تھی، جب اسلامی لشکر نے ان کا محاصرہ کیا تو انہوں نے مسلمانوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ غازیانِ اسلام میں تقریباً ایک ہزار آدمیوں

کی آنکھیں تیروں سے زخمی اور بے کار ہو گئیں، لیکن ایرانیوں کا یہ حربہ بھی غازیانِ اسلام کے قدم نہ ڈگمگا سکا، دشمنانِ اسلام نے اسلامی لشکر کی پیشقدمی روکنے کی خاطر خندقیں کھود رکھی تھیں، حضرت خالدؓ نے کمزور اور ناتواں اونٹوں کو ذبح کر کے ان خندقوں میں ڈال دیا اور اس طرح لشکرِ اسلام کی تمام رکاوٹیں دور ہو گئیں اور فصیلِ شہر تک پہنچ کر غازیانِ اسلام نے اپنی شجاعت اور قوتِ ایمانی کے ایسے جوہر دکھلائے کہ ایرانی فوج کا سپہ سالار صلح پر مجبور ہو گیا، حضرت خالدؓ بن ولید نے تین دن کی مہلت دی، کہ اس عرصہ میں اپنے مخصوص ساتھیوں کو لے کر شہر سے نکل جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ایرانی کمانڈر اپنے مخصوص لوگوں کو لے کر شہر سے نکل گیا اور مسلمان فاتحانہ شان سے شہر میں داخل ہوئے۔

فتح انبار کے بعد مقام "عین التمر" میں چوبیس ہزار ایرانیوں سے لڑائی ہوئی، یہاں بھی اسلامی لشکر کی کمان حضرت خالد بن ولیدؓ نے کی اور حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازا، اس کے بعد چار اور جنگی مہمیں سر کر لی گئیں۔ ایک مقام "دومۃ الجندل" پر دوسری "حصید" پر، تیسری "مضیخ" پر اور چوتھی لڑائی دریائے فرات کے کنارے "فراض" کے مقام پر لڑی گئی، ان چاروں جنگی کارروائیوں کی اعلیٰ کمان بھی حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس رہی، اور چاروں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ آخرِ محرم سنہ ۱۲ ہجری میں "حیرہ" میں داخل ہوئے تھے اور ربیع الاوّل سنہ ۱۳ ہجری تک مقیم رہے، چودہ ماہ کی اس قلیل مدت میں ان کو قدم قدم پر دشمن کا سامنا ہوا، بیسیوں خونریز لڑائیاں ہوئیں اور ہر جگہ دشمن کی عددی طاقت کئی گنا رہی مگر ہر موقعہ پر فتح و نصرت نے آپ کے قدم چومے۔ اس چودہ مہینے کی مختصر مدت میں جس قدر وسیع علاقے فتح کیے تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس معاملہ میں ہم مجبور ہیں کہ اس سپہ سالار اسلام کی بے مثال شجاعت، حرارتِ ایمانی اور قابلیتِ سپہ سالاری پر درود و سلام بھیجیں۔ مگر اتنا کہے بغیر چارہ نہیں کہ ان تمام خالدی کارناموں کی ایک روح ہے۔ ہمیں اس روح کو تلاش کرنا چاہیئے اور وہ روح ہے انتخابِ صدیقؓ، تربیتِ صدیقؓ اور ہدایاتِ صدیقؓ۔

جنگِ یرموک

جنگِ یرموک خلافتِ صدیقی کی آخری۔ مگر انتہائی خوفناک جنگ تھی، یہ جنگ شام کے علاقہ میں رومیوں سے لڑی گئی، یہاں بھی اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت خالدؓ بن ولید تھے، اسلامی فوج کی تعداد چالیس سے چھیالیس ہزار تھی،

یہ جنگ تیس گھنٹوں سے بھی کچھ کم وقت میں لڑی گئی مگر غازیانِ اسلام

کا حملہ اتنا شدید تھا کہ تمام تر مادی ساز و سامان کے باوجود رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ایک لاکھ تیس ہزار لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے [1]۔

وفات

شروع ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳ ہجری میں آپؓ بخار میں مبتلا ہوئے۔ پندرہ روز بخار کی تکلیف شدید رہی، جب آپ کو یقین ہو گیا کہ اب وقت آخر آن پہنچا ہے تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو خلافت کے بارہ میں مشورہ کیا (اس کی تفصیل تذکرہ عمر فاروقؓ میں ذکر کی جائے گی) اور تمام صحابہؓ کو جمع کر کے آپؓ نے اُن سے فرمایا:

"کیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں جانشین مقرر کروں! اس کو خوب سمجھ لو، میں بالقسم کہتا ہوں کہ میں نے انتہائی غور و فکر کر لیا ہے اور میں نے اپنے کسی قرابت دار کو تجویز نہیں کیا، میں عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین نامزد کرتا ہوں، تم میرا کہا مانو اور سنو!
سب نے یک زبان ہو کر کہا "سمعنا واطعنا" ہم نے سن لیا اور

---

[1] تاریخ اسلام۔ اکبر شاہ نجیب آبادی جلد ۱، صـ ۳۲۵

ہم آپ کا حکم بجا لاتے ہیں، اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کو بلا کر ایک عہد نامہ لکھوایا جس میں حضرت عمرؓ کی جانشینی اور خلافت کا ذکر اور حکم دیا کہ اس عہد نامہ کی تشہیر کردی جائے [1]۔

جب وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا"؟ ام المومنین نے فرمایا۔ "تین کپڑوں میں" وصیت کی کہ میرے کفن میں بھی تین ہی کپڑے ہوں، دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں۔ انھیں دھولیا جائے اور ایک نیا کپڑا۔ (بخاری شریف)

رحلت کے روز حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا، "حضورؐ اس دنیا سے کس روز تشریف لے گئے تھے؟" عائشہ صدیقہ نے فرمایا، دوشنبہ کے روز، یہ سن کر کہا۔ "مجھے امید ہے کہ میں بھی آج ہی کے دن اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔" وصیت کی کہ رسول اللہ کے پہلو میں دفن کیا جائے، جب آپ کا دم سینہ میں تھا تو عائشہ صدیقہؓ نے یہ شعر پڑھا:

وابیض یستسقی الغمام لوجهه
ثمال الیتامی عصمة للارامل

---

[1] سیرت الصدیقؓ، تاریخ اسلام

"وہ نورانی صورت جس کے چہرہ کی پاکیزگی سے بادل سیراب ہوں، یتیموں پر شفیق اور بیواؤں کی پناہ گاہ ہے۔"

۲۲ جمادی الثانی بروز دوشنبہ مغرب اور عشاء کے درمیان وفات پائی اور اسی شب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرۂ مبارکہ میں سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے برابر دفن کیے گئے۔

عمر ۶۳ سال پائی۔ ایامِ خلافت ۲ سال تین مہینے گیارہ دن

رضی اللہ عنہ

امیر المومنین

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امیرالمومنین
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۵۸۳ء ——— ۶۴۴ء

خلافت

(از ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ تا ۲۷ ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ)

مدتِ خلافت

دس سال، چھ مہینے، پانچ دن

امیر المؤمنین
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مشہور روایت کی بنا پر ہجرت نبویؐ سے چالیس برس پہلے اور عام فیل سے تیرہ برس بعد پیدا ہوئے۔ اہل عرب عام طور عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں، عدنان کا سلسلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تک پہنچتا ہے، عدنان کے نیچے گیارھویں پشت میں فہر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے، انہی کی اولاد قریش کے لقب سے مشہور ہوئی۔ قریش بیت اللہ کے مجاور بھی تھے اس لیے دنیاوی جاہ وجلال بھی ان پر سایہ فگن تھا۔ کام کی وسعت اور تعلقات کے پھیلاؤ کے باعث ان لوگوں کے کاروبار کے مختلف شعبے ہو گئے تھے اور ہر شعبہ کا اہتمام جداگانہ تھا مثلاً بیت اللہ کی نگرانی، حجاج کی خبرگیری، سفارت، شیوخ قبائل کا انتخاب اور مقدمات میں ثالثی اور فیصلے، عدی جو حضرت عمر کے جد اعلیٰ تھے، سفارت کے نگران تھے اور جب بھی قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی معاملہ پیش آتا یہ سفیر کی حیثیت سے جاتے اور اپنے قبیلہ کی

نمائندگی کرتے۔

حضرت عمرؓ کے والد خطّاب

حضرت عمرؓ کے والد قریش کے ممتاز لوگوں میں سے تھے، خطّاب نے متعدد شادیاں اونچے اونچے گھرانوں میں کیں، حضرت عمرؓ کی والدہ کا نام ختمہ تھا، ابن ہشام بن المغیرہ کی بیٹی تھی۔ مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش لڑنے کے لیے جاتے تو فوج کا اہتمام انہی کے سپرد ہوتا اسی مناسبت سے ان کو "صاحب الاعنۃ" کہا جاتا تھا، مشہور اسلامی سپہ سالار خالد سیف اللہ انہی کے پوتے تھے۔

بچپن

حضرت عمرؓ کی ولادت اور بچپن کے حالات بالکل تاریکی میں ہیں۔ جو کچھ معلوم ہو سکا ہے وہ بہت مختصر بلکہ ناکافی ہے۔ بچپن تو درکنار اسلام سے قبل زمانۂ شباب کے حالات پر بھی لاعلمی کے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں۔ کس کو معلوم تھا کہ اونٹ چرانے والا یہ کھلنڈرا اور بے فکر نوجوان ایک روز "فاروق اعظم" کہلائے گا اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کا قیام اس کے ہاتھوں عمل میں آئے گا۔

تلاش و تجسس سے آپ کے بچپن کے جو چند واقعات معلوم ہو سکے ہیں ان کا ذکر یقیناً ناموزوں نہ ہوگا۔

سن شعور کو پہنچے تو آپ کے والد نے سب سے پہلے جو خدمت آپ کے سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانا تھا۔ یہ پیشہ اگرچہ اس وقت عرب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ایک قسم کا قومی شعار تھا مگر خطاب آپ کے ساتھ بڑی بے رحمی کا سلوک کرتے تھے، تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور اگر کبھی تھک کر دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں عمرؓ یہ جاں کاہ اور صبر آزما خدمت سرانجام دیتے اس کا نام "ضجنان" تھا جو مکہ معظمہ سے صرف چند میل کی مسافت پر تھا۔

اپنے دورِ خلافت میں ایک روز عمر فاروقؓ اس میدان سے گزر رہے تھے تو آب دیدہ ہو گئے اور عبرت انگیز لہجہ میں بولے "اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا جب میں نمدہ کا کرتہ پہنے اس میدان میں صبح سے شام تک اونٹ چرایا کرتا تھا اور اس کام کی انجام دہی میں مجھ پر کیا کیا سختیاں نہ گزرتی تھیں۔ اور ایک آج کا دن ہے کہ اللہ کی سرزمین میں سب سے زیادہ با اختیار ہوں اور روئے زمین پر مجھے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہیں۔"

شباب کی منزل میں قدم رکھا تو اُن شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہو گئے جو عموماً شرفائے عرب کا معمول تھا۔ عرب میں اس وقت جن باتوں کی تعلیم دی

جاتی تھی اور جو لازمۂ شرافت خیال کیے جاتے تھے ان میں نسب دانی — سپہ گری، پہلوانی اور خطابت سرِ فہرست ہیں۔ انساب کا فن حضرت عمرؓ کے خاندان میں موروثی چلا آتا تھا۔ حضرت عمرؓ ان کے باپ اور دادا نفیل تینوں بڑے نساب تھے۔ غالباً اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ عمر فاروقؓ کے خاندان میں سفارت اور ثالثی چلی آرہی تھی اور ان کی انجام دہی کے لیے انساب کا جاننا ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ نے انساب کا علم اپنے باپ سے حاصل کیا تھا۔

پہلوانی اور کُشتی کے فن میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ جبل عرفات کے قریب عکاظ ایک مقام تھا یہاں سال کے سال میلہ لگتا تھا اور عرب کے تمام اہلِ فن یہاں جمع ہو کر اپنے اپنے کمالات کا مظاہرہ کرتے تھے۔ عمر فاروقؓ بھی یہاں پہنچتے تھے اور معرکہ کی کشتیاں لڑتے۔ علامہ بلاذری کتاب "الاشرف" میں تصریح کرتے ہیں کہ "عمر فاروق" عکاظ کے دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے[1]

شہسواری میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ گھوڑے پر کود کر سوار ہوتے اور اس طرح جم کر بیٹھتے کہ جلد بدن ہو جاتے۔

"فتوح البلدان" کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

---

[1] "الفاروق" علامہ شبلی نعمانی حصہ اوّل ص۱۱

کے وقت قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھ پڑھ سکتے تھے۔ ان میں ایک عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

تقریر کا ملکہ خداداد تھا۔ عکاظ کے معرکوں نے اس کو اور بھی زیادہ جلا بخشی تھی۔ یہی قابلیت تھی کہ جس کی وجہ سے قریش نے آپ کو سفارت کا منصب سونپا تھا۔ جو صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص تھا۔ جو سب سے زیادہ فصاحت وبلاغت کا پیکر ہوتے تھے۔ جو فی البدیہہ اور برجستہ آپ کے منہ سے نکل جاتے تھے۔ مختلف اوقات میں آپ نے جو خطبے دیئے اور تقریریں کیں وہ فصاحت وبلاغت اور جامعیت کے اعتبار سے منفرد مقام رکھتی ہیں۔ (ان کا اجمالاً ذکر آئندہ صفحات میں آرہا ہے)

ذوق شعری

شعر وشاعری کی نسبت اگرچہ آپ کی شہرت زیادہ نہیں کیونکہ خود شعر بہت کم کہتے تھے مگر شعر وشاعری کا مذاق ایسا ستھرا اور نفیس رکھتے تھے کہ ان کی کتاب زندگی سے اس عنوان کو مٹایا نہیں جاسکتا۔ عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام یاد تھا۔ اور استاد شعراء کے کلام پر آپ کی اپنی آراء تھیں۔ اہل ادب اور اصحاب نقد وجرح یہ بات مانتے ہیں کہ عمر فاروقؓ کے دور میں ان سے زیادہ اشعار کی پرکھ رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ اسی اعتراف کو جاحظ نے

"کتاب البیان و التبیین[1]" میں بایں الفاظ بیان کیا ہے۔

کان عمر بن الخطاب اعلم الناس بالشعر

"یعنی حضرت عمرؓ اپنے زمانے میں سب سے زیادہ شعر کی پرکھ اور سمجھ رکھنے والے تھے"

حضرت عمرؓ کو اگرچہ تمام مشہور شعراء عرب کے کلام پر عبور حاصل تھا۔ مگر آپ زہیر کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو "اشعر الشعراء" کہا کرتے تھے۔ عربی ادب میں یہ مسئلہ طے نہ ہو سکا کہ سب سے بڑا شاعر کون تھا۔ مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت تین شعراء میں منحصر ہے ——

امراء القیس، نابغہ اور زہیر، حضرت عمرؓ زہیر کو سب پر ترجیح دیتے تھے۔ جریر بھی اسی کا قائل تھا۔ ایک مرتبہ کسی غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ آپ کے ہمراہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا "اشعر الشعراء کے اشعار پڑھو" ابن عباسؓ بولے وہ کون ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا "زہیر" اور یہ الفاظ کہے:

"وہ (زہیر) ناموزوں الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا، اس کے کلام میں پیچیدگی نہیں ہوتی اور اسی مضمون کو باندھتا ہے جس سے واقف ہوتا ہے۔ جب کسی کی مدح کرتا ہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو درحقیقت اس میں ہوتے ہیں"

---

[1] کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر صفحہ ۹۷ بحوالہ "الفاروق" علامہ شبلی نعمانی"

آپ کو جس قسم کے اشعار سے شغف تھا وہ صرف وہ تھے جن کی خودداری، شرافتِ نفس، غیرت وحمیت اور عبرت کے مضامین بیان کیے گئے ہوں اور حضرت عمرؓ کا یہی معیار شعر پسندی تھا جس کی بناء پر انہوں نے شاعری کے بہت سے عیوب مٹا دیئے۔ اس وقت عرب میں یہ عام طریقہ تھا کہ شعراء اپنے اشعار میں شریف اور پاکباز عورتوں کے ذکر تک سے نہیں چوکتے تھے اور ان سے اپنے عشق ومحبت کی داستانوں کو کھلم کھلا اشعار میں بیان کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے اس رسم کو بالکل مٹا دیا۔ اور اس کی سخت سزا مقرر کی، اسی طرح ہجو گوئی، کو جرم قرار دیا اور حیطہ کو جو مشہور ہجو گو تھا، اس جرم میں سزائے قیدی۔

تقریر وخطابت

تقریر اور خطابت میں بھی آپ ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتے تھے جس کی شہادت کے لیے یہاں صرف اتنا ذکر کر دینا کافی ہے (کیونکہ تفصیل کا نہ محل ہے اور نہ گنجائش) کہ اسلام لانے سے پہلے بھی قریش نے آپ کو سفارت کے منصب سے نوازا تھا اور یہ منصب صرف اس شخص کو مل سکتا تھا جو خطابت، قوتِ تقریر اور معاملہ فہمی میں پوری دسترس رکھتا ہو۔
اس تصریح سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فنِ خطابت اور ذوق شعر وسخن عمر فاروقؓ نے ایامِ جاہلیت میں عکاظ کی تعلیم گاہ سے ہی حاصل کیے تھے

کیونکہ اسلام لانے کے بعد مذہبی اشغال میں مصروف ہو گئے۔ اور پھر جب خلافت و حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالنی پڑیں تو ظاہر ہے کہ ان باتوں کی فرصت کہاں باقی رہتی، اور پھر آپ اِس قسم کے چرچے پسند بھی نہیں کرتے تھے۔

قبولِ اسلام

حضرت عمرؓ کو قبولیتِ حق کے لیے کیا محرک اور المیہ پیش آیا۔ اس کے بارے میں روایت مختلف ہیں اِس سلسلہ میں مشہور اور مفصل روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ :

"حضرت عمرؓ تلوار گردن میں ڈالے گھر سے نکلے۔ ارادے بڑے پُرخطر تھے بنی زہرہ کا ایک شخص ملا۔ اس نے پوچھا۔ عمرؓ اس شان سے آج کہاں کے ارادے ہیں؟ کہنے لگے "آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قصہ ختم کرنے چلا ہوں"۔ وہ شخص بولا : عمرؓ پھر تم اپنے آپ کو بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچاؤ گے۔ عمرؓ نے کہا میرا خیال ہے تو بھی اپنے قدیم اور آبائی دین سے پھر گیا ہے، یہ سُن کر اس شخص نے کہا۔ اے عمرؓ! میں تم کو اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات کی نشان دہی نہ کر دوں! تمہاری بہن اور بہنوئی بھی اپنے پرانے مذہب

سے پھر گئے اور انہوں نے وہ دین چھوڑ دیا جس پر تم ہو، حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر پہنچے وہاں مہاجرین میں سے ایک شخص خبابؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے جب حضرت عمرؓ کی آواز سنی تو چھپ گئے۔ حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی سورہ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا۔ تم دونوں ابھی ابھی کیا پڑھ رہے تھے، عمرؓ بولے میرا خیال ہے کہ تم دونوں اپنے آبائی دین سے پھر گئے ہو؟ حضرت عمرؓ کے بہنوئی بولے۔ اے عمرؓ! بتایئے اگر حق تمہارے دین کے علاوہ ہو تو پھر کیا کرو گے؟ یہ سنتے ہی عمرؓ اپنے بہنوئی پر جھپٹے اور ان کو خوب مارا، بہن اپنے شوہر کی مدد کے لیے پہنچیں تو حضرت عمرؓ نے اُن کو بھی معاف نہیں کیا۔ بہن کے چہرہ سے خون بہنے لگا۔ انہوں نے بھی یہی کہا۔ اے عمرؓ! بتایئے اگر حق تمہارے دین کے علاوہ ہو اور باآواز بلند کہنے لگیں اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ عمر فاروقؓ سمجھ گئے کہ میری سختی کارگر ثابت نہ ہو گی، بولے "تم دونوں جو کتاب پڑھ رہے تھے وہ مجھے بھی دو۔" بہن نے کہا یہ "کتاب اللہ" ہے۔ پہلے غسل کرو یا وضو کرو اس کے بعد اس کتاب کو ہاتھ لگانا۔ عمرؓ اٹھے۔ وضو کیا اور سورہ طٰہٰ کی تلاوت شروع کی۔ جب اس آیت پر پہنچے اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ، تو پکار اُٹھے "مجھے محمدؐ کی راہ بتادو۔" جب بات یہاں تک پہنچ گئی تو خبابؓ (جو چھُپے ہوئے تھے) باہر نکلے اور بولے۔ عمرؓ! تم کو مبارک ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضور علیہ السلام کی یہ دعا "اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطّاب" اپنا رنگ لائی اور حق تعالیٰ نے تم کو قبولِ حق کی توفیق بخشی۔ عمر فاروقؓ حضورؐ کے در دولت پر پہنچے۔ دستک دی۔ حضورؐ کے گرد صحابہؓ کا اجتماع تھا۔ صحابہؓ صورت حال سے بے خبر تھے۔ عمرؓ کو شمشیر بکف دیکھ کر متردد ہوئے۔ حضرت حمزہؓ بھی موجود تھے۔ وہ بولے آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر، ورنہ اِسی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ عمرؓ اندر داخل ہوئے۔ حضور علیہ السلام خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا: "عمرؓ! کس ارادہ سے آئے ہو؟" خدا کے آخری نبیؐ کو دیکھ کر اور اُن کی پُر رعب آواز سُن کر عمر فاروقؓ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ انتہائی خضوع کے ساتھ عرض کیا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ حضور علیہ السلام بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے۔ آپ کے ساتھ صحابہؓ نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ مکہ کے کوچہ و بازار گونج اٹھے اور شہر سے باہر دُور دُور تک

اللہ اکبر کی آواز سنی گئی [1]۔

دیکھیے عمر فاروقؓ کس عزم اور ارادے سے نکلے تھے۔ وہ تو اپنے تئیں یہ سوچ کر نکلے تھے کہ آج (خاکم بدہن) اللہ کے سچے اور برگزیدہ رسول اور داعیِ حق کا قصہ ہی پاک کردیں گے۔ مگر کون جانتا تھا کہ بارگاہِ ایزدی میں ان کے لیے کتنی سعادتیں اور خوش بختیاں مقدر ہو چکی ہیں اور غیب کے ایوانوں میں یہ صدا گونج رہی ہے۔

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "جس روز عمر فاروق ایمان لائے اس روز مشرکین کہنے لگے آج مسلمانوں نے ہم سے بدلہ لے لیا۔ اسی روز یہ آیت نازل ہوئی۔ یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ" جب سے حضرت عمرؓ ایمان لائے اسلام ظاہر ہوا۔ ہم کعبے کے گرد بیٹھنے، طواف کرنے، مشرکین سے بدلہ لینے اور ان کے جواب دینے لگے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا بیان ہے کہ" ہر شخص نے خفیہ طور پر ہجرت کی مگر جب حضرت عمرؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اس شان سے کہ ہاتھ میں برہنہ

---

[1] "عمر بن الخطاب" لابن جوزی، مطبوعہ مطبع السعادہ ص۱۰، ۱۱

تلوار لی۔ دوسرے میں تیر اور پشت پر کمان لگا کر خانہ کعبہ میں تشریف لائے سات مرتبہ طواف کیا اور دو رکعتیں مقام ابراہیمؑ کے پاس کھڑے ہو کر پڑھیں۔ پھر سرداران قریش کے حلقہ میں آئے اور بآواز بلند کہا۔ "تمہارے منہ کالے ہوں۔ جو شخص اپنی ماں کو بے فرزند، اپنی بیوی کو بیوہ اور اپنی اولاد کو یتیم کرنا چاہتا ہو وہ میرے مقابل ہو جائے۔" اسلام کے اس بطل جلیل کی یہ للکار سب نے سُنی۔ مگر کسی کو مقابل آنے اور روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ ذی الحجہ سنہ ۶ نبوی کا ہے۔ اس وقت عمر فاروق کی عمر ۲۶ یا ۲۷ سال تھی۔ آپ جب اسلام لائے تو آفتاب رسالت کو طلوع ہوئے چھ سال ہو چکے تھے (باختلاف روایات) چالیس مرد اور گیارہ عورتیں حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھیں[1]

حضرت عمرؓ نے اسلام کی دہلیز پر قدم رکھا تو ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ عرب کے مشہور بہادر اور شمشیر زن حضرت حمزہ (سید الشہداء) بھی اسلام لا چکے تھے مگر مسلمان ابھی تک اپنے مذہبی فرائض علانیہ طور پر ادا نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "ہمارا یہ حال تھا

---

[1] "ازالۃ الخفاء" جلد دوم صفحہ ۲۵ (مطبوعہ حمیدیہ سٹیم پریس لاہور) ابن جوزی نے اپنی کتاب "عمر بن الخطاب" (ص ۱۲) میں ۳۹ مردوں کے نام ذکر کیے ہیں اور کہتے ہیں کہ چالیسویں عمر فاروقؓ ہیں۔

کہ ہم کعبہ کے پاس جاکر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ جب حضرت عمر فاروقؓ اسلام لائے تو آپ نے حضور علیہ السلام سے پوچھا۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ یقیناً۔ حضرت عمرؓ نے سوال کیا۔ جب ہم حق پر ہیں تو پھر اخفا کی وجہ؟ ارکانِ اسلام ہم علانیہ کیوں نہیں ادا کر سکتے؟" عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد ہم نے بیت اللہ کے پاس جاکر نماز پڑھنی شروع کی۔

ابن مسعودؓ ہی کا قول ہے کہ "حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام فتح تھی، آپ کی ہجرت مدد و نصرت تھی، اور آپ کی خلافت رحمت تھی۔

حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہ کا بیان ہے کہ "جب حضرت عمرؓ مشرف باسلام ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں دعا فرمائی اور حضور علیہ السلام کی دعا بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی۔ ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ میرے والد (عمرؓ) جب اسلام لائے تو نبی اکرمؐ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اے اللہ اس کے سینے سے کینہ اور دشمنی کو نکال دے اور اس کا سینہ نورِ ایمان سے بھر دے۔ تین مرتبہ حضورؐ نے اسی طرح فرمایا۔" [1]

---

[1] ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۲۵

ہجرت

مکہ میں جیسے جیسے اسلام پھیلتا جاتا تھا۔ قریش کا غیظ و غضب بھی بڑھتا جاتا تھا۔ مشرکین مکہ نے صحابہ رضہ کو ایسی ایسی اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں کہ اگر اسلام کے جوش اور دارفتگی کا اثر نہ ہوتا اور اسلام صحابہ رضہ کے رگ و ریشے میں پوری طرح رچ بس نہ گیا ہوتا تو شائد ایک بھی شخص ان مصائب میں اسلام پر ثابت قدم نہ رہتا، یہ حالت چند روز یا چند ماہ قائم رہی بلکہ پانچ چھ برس اس سختی اور مصیبت کے ساتھ گزرے کہ اس کا ذکر اور تفصیل تاریخ عالم کا انتہائی المناک باب اور دردانگیز داستان ہے۔

مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے والے سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم تھے، جنہیں حضور علیہ السلام نے مدینہ میں تعلیم القرآن کی غرض سے بھیجا تھا، ان کے بعد بلال، سعد اور عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہم) نے ہجرت کی، پھر حضرت عمر رضہ نے بیس صحابہ رضہ کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی۔[۱]

فاروق کی وجہ تسمیہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضرت عمر رضہ

---

[۱] عمر بن خطاب - لابن جوزی ازالۃ الخفاء جلد دوم ص۲۰۲ تا الفاروق ص۸۱ - بخاری میں بیس کا عدد ہے، نام نہیں دیئے، ابن ہشام نے بعض نام درج کیے ہیں۔

کے لیے فاروق کا لفظ کس نے تجویز کیا ؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ، ایوب بن موسیٰ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے عمرؓ کی زبان اور قلب پر حق کو جاری کر دیا اور وہی فاروق ہیں۔ اور اللہ نے عمرؓ کے ذریعے حق اور باطل کے درمیان فرق کیا۔ نزال بن سبرہ ہلالی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ حضرت عمرؓ کے بارے کچھ بتایئے ! حضرت علیؓ کہنے لگے۔ وہ ایک ایسے آدمی ہیں جن کا نام اللہ نے فاروق رکھا ، ان کے ذریعہ حق و باطل میں فرق کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرمایا کرتے۔

" اے اللہ ! تو عمر بن الخطاب کے ذریعہ اسلام کو عزت عطا فرما "

اخلاق و عادات

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کو مزاج کی درشتگی اور طبیعت کی سختی ورثہ میں ملی تھی۔ اگر کہیں آپ اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہ ہوتے تو یقیناً ان کی زندگی میں وہی خطّاب کا سا انداز ہوتا۔ مگر اسلام لانے کے بعد حضرت عمرؓ کا اندازِ طبع بالکل بدل گیا تھا ، اب انہوں نے تشدد اور انتہا پسندی کی وہ " یک طرفہ " راہ چھوڑ دی تھی جس کا مظاہرہ اپنی بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کی خبر سن کر کیا تھا ، اب اُن کی ذات

آمیزشِ فولاد و ابریشم کا پتہ دیتی تھی۔ وہ بعض مرحلوں پر حد درجہ سختی بھی فرماتے تھے اور پھر بعض موقعوں پر انتہائی نرمی کا بھی ثبوت دیتے تھے۔ مگر ان کی تند خوئی اور نرم مزاجی دونوں برمحل ہوتی تھیں، اسلام نے ان کے مزاج میں مستقل اور پاکیزگی پیدا کر دی تھی، اب ان کی تند خوئی ان کے قابو میں تھی۔ ان کا غیظ و غضب اسلام کے تابع ہو چکا تھا، اسلام نے ان کی طبیعت میں اس درجہ لچک اور نرمی پیدا کر دی تھی کہ وہ کمزور اور ستم رسیدہ انسانوں کی مدد اور غم خواری میں پیش پیش رہنے لگے تھے۔

اسلام اعتدال پسند ہے اور ہر معاملہ میں افراط و تفریط سے روکتا ہے، حضور علیہ السلام نے ہمیشہ اعتدال اور سہولت کی راہ کو پسند فرمایا اور اسی پر اپنے اصحاب کو چلنے کی تلقین کی۔ اب حضرت عمرؓ کا تشدد اور سختی تمام اعمال و افعال سے ہٹ کر صرف ایک بات میں منحصر ہو گیا تھا، اب وہ پورے عزم و استقلال اور اپنے مزاج کی سختی کے ساتھ اس راہ پر گامزن تھے جو ان کو ان کے محبوب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بتلائی تھی۔

اسلام اور نبی آخر الزماں کی سچی تعلیمات نے حضرت عمرؓ کی زندگی میں حلم، تواضع، نرمی، انکسار اور عاجزی غرضیکہ سب ہی کچھ شامل کر دیا تھا۔ بہت سے تذکرہ نگاروں نے ان عنوانات پر مستقل باب باندھے ہیں اور حضرت عمرؓ کی تواضع، انکسار، زہد و تقویٰ اور حلم و بردباری کے

بے شمار واقعات نقل کیے ہیں۔ جو تفصیل کے ساتھ یہاں بیان نہیں کیے جا سکتے مگر دو ایک واقعات کا ذکر ضروری ہے۔ جس سے ان کی شخصیت کی عظمت و رفعت کے کئی پہلو سامنے آ جائیں گے۔ ان کی زندگی کا جہاں ایک رُخ یہ تھا کہ روم و شام جیسی سلطنتوں پر لشکر کشی ہو رہی ہے۔ قیصر و کسریٰ کے سفیر دربار میں پیش ہیں۔ خالدؓ بن ولید جیسے سپہ سالارِ اسلام کی برطرفی کے احکام جاری ہو رہے ہیں جس نے طاغوتی طاقتوں کی صفیں الٹ کر رکھ دی تھیں اور جس کی فوجی صلاحیتوں نے مشرق و مغرب میں تہلکہ بپا کر دیا تھا، امیر معاویہؓ سے باز پُرس ہو رہی ہے، سعد بن ابی وقاصؓ، عمرو بن عاصؓ اور ابو موسیٰ اشعری کے نام احکام جاری ہو رہے ہیں۔ وہاں دوسرا رُخ یہ بھی تھا کہ کرتہ میں بارہ پیوند لگے ہیں، سر پر بوسیدہ عمامہ ہے۔ پاؤں میں ٹوٹی ہوئی جوتیاں ہیں اور پھر اسی حالت میں کبھی کاندھے پر مشک ہے کہ کسی بیوہ کے گھر پانی پہنچانا ہے یا کسی مسجد میں فرش خاک پر لیٹے ہوئے ہیں کہ فرائضِ امارت نے نڈھال کر دیا ہے۔

مکّہ سے مدینہ کا سفر درپیش ہے۔ مگر ساتھ نہ کوئی خیمہ ہے نہ شامیانہ۔ کوئی درخت نظر آیا تو اس پر چادر ڈال کر سایہ کیا اور محو استراحت ہو گئے۔ بیت المال کا اونٹ گم ہو گیا ہے تو خود حیران و پریشان پھر رہے ہیں—— —— کسی نے عرض کیا۔ امیرالمومنین! آپ کیوں اتنی تکلیف اٹھا رہے

کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لائے گا! فرمایا:

"مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے؟ تم جانتے ہو کہ ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے۔" [۱]

آپ کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے کہنے لگے:

"امیر المومنین۔ ہم نے آپ سے زیادہ عادل، منصف، حق گو اور منافقین کے مقابلہ میں سخت گیر آدمی نہیں دیکھا اور نبی کریم علیہ السلام کے بعد آپ سب سے بہتر اور افضل ہیں۔" [۲]

عوف بن مالکؓ بھی شریک مجلس تھے۔ بولے تم لوگوں نے جھوٹ کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عمرؓ سے زیادہ بہتر اور افضل آدمی کو دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا اے عوف، وہ کون ہے؟ عوف نے جواب دیا۔ ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروق کہتے ہیں عوف تو نے سچ بولا اور ان لوگوں نے جھوٹ کہا "تحقیق جب ابوبکرؓ مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ لطیف اور پاکیزہ تھے۔ اس وقت میں اپنے باپ کے اونٹوں سے بھی زیادہ گمراہ اور بے راہ رو تھا۔" [۳]

---

[۱]، [۲]۔ "الفاروق" صـ۱۱۶

[۳]۔ "عمر بن خطاب" لابن جوزی صـ۱۴۹ اس بات سے حضرت عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ ابوبکر صدیقؓ ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہو چکے تھے اور میں کفر کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا۔

ایک بار حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا :

"اے ابن خطاب! آپ ہم کو نہ کچھ مال ومنال دیتے ہیں اور نہ ہم میں پورے طرح عدل وانصاف کرتے ہیں۔"

یہ بات سن کر حضرت عمرؓ کے چہرہ پر شدید ناگواری کے آثار ابھر آئے اور کیوں نہ ابھرتے کہ یہ ان کی ذات اور کردار پر ایک بہتان تھا۔ قریب تھا کہ حضرت عمرؓ اس شخص کو مارنے کے لیے اٹھتے۔ معاً حر بن قیسؓ بولے :

"امیر المؤمنین! اللہ جل شانہ نے اپنے نبی علیہ السلام کو مخاطب کرکے کہا ہے۔ خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجاھلین[1] اور یہ شخص بھی جاہلین میں سے ہے۔

حر بن قیسؓ کہتے ہیں کہ "خدا کی قسم یہ آیت سنتے ہی عمر فاروقؓ خاموش ہو گئے۔ اور آپؓ نے اس شخص سے درگزر کیا حالانکہ آپ کتاب اللہ کو اور اس آیت کے محل کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔"

ایک بار صحابہؓ کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دفعتہً اٹھے، منبر پر تشریف لے گئے۔ صحابہ نے سمجھا کہ شاید امیر المؤمنین کے ذہن میں کوئی اہم مسئلہ آگیا ہے اور اس کے اعلان واظہار کے لیے اٹھے ہیں، مگر عمر فاروقؓ

---

[1] ۔ سورۃ الاعراف، آیۃ : ۱۹۹

نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا :

"لوگو! ایک وہ بھی زمانہ تھا کہ میں اتنا نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لا دیا کرتا تھا۔ وہ اس صلے میں مجھ کو کھجوریں دے دیا کرتے اور میں گزر بسر کر لیتا۔"

یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کون سی بات تھی۔ آپ نے فرمایا: "میں نے سوچا کہیں دل و دماغ پر غرورِ حکومت کی پرچھائیں نہ پڑ جائے تو اصلاحِ نفس کی خاطر برسرِ منبر کھڑے ہو کر یہ بات کہی۔"

ایک بار ملک شام تشریف لے گئے، جسمِ اقدس پر پیوند لگا لباس تھا، مسلمانوں نے کہا۔ "امیر المؤمنین یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء اور زعماء آپ سے ملنے آئیں گے، وہ جب آپ کو اتنے معمولی بلکہ بوسیدہ لباس میں دیکھیں گے تو ندامت ہوگی، وہ کیا سوچیں گے کہ مسلمانوں کی اتنی بڑی سلطنت کا امیر اور سربراہ اور اس کی یہ حالت؟" فرمایا۔ مجھے کسی کے کچھ کہنے کی پرواہ نہیں ہے۔ ہماری عزت لباس اور ظاہری شان و شوکت سے نہیں۔ اللہ نے ہمیں اسلام سے عزت بخشی ہے۔

قیامِ بیت المقدس کے زمانے میں آپ کا کرتہ پشت کی جانب سے پھٹ گیا۔ آپ نے کسی کے سپرد کیا اور کہا: اس کو دھو دو اور پیوند بھی لگا دو، اس نے تعمیل حکم کی مگر ساتھ ایک نیا کرتہ سی دیا، اور وہ بھی

آپ کی خدمت میں پیش لیا۔ آپ نے نئے کرتہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: یہ بہت نرم ہے، اسے واپس کر دیا۔ اور کہا: میرا پرانا کرتہ ہی بہتر ہے اس میں پسینہ بہت اچھی طرح جذب ہوتا ہے۔

رعب و دبدبہ

قدرت کا یہ قانون ہے کہ جو خدا سے ڈرتا ہے، مخلوقِ خدا اس سے ڈرتی ہے جس نے خدا کی غلامی اور نبی علیہ السلام کی اطاعت کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا دنیا اس کے قدموں پر جھک گئی، جس نے اپنی پیشانی بصد عجز و نیاز خدا کے حضور میں رکھ دی۔ بڑے بڑے جابروں کی گردنیں اس کے آگے خم ہو گئیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شخصیت کو دیکھیے عاجزی، انکسار، تواضع، خشیت الٰہی کا مرقع ہے، وہ کسی مرحلہ پر شان و شوکت، امیرانہ وحاکمانہ عظمت وجلال کا اظہار کرتے نظر نہیں آئیں گے مگر اس کے باوجود قدرت نے ان کی شخصیت میں ایسی لافانی عظمت اور شوکت وسطوت ودیعت کی تھی کہ مشرق و مغرب میں لوگ عمرؓ کے نام سے کانپتے تھے اور قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں ان کی عظمت و شوکت کے تصور سے لرزہ پڑ جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کی عظمت وہیبت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خود

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے :

"جس راستہ سے عمر چلتے ہیں اس راستہ سے شیطان نہیں گزرتا۔"

فقیہ امت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ :

"ہمارے دلوں میں حضرت عمرؓ کی اتنی ہیبت تھی کہ میں بسا اوقات کسی آیت یا حدیث کے متعلق ایک ایک سال سوچتا رہتا تھا کہ آپؓ سے رجوع کروں مگر میری ہمت نہ ہوتی تھی۔"

خوفِ خدا

حضرت عمرؓ فاروق پر اللہ جل شانہ کا خوف اتنا غالب تھا کہ زمین پر پڑا ہوا تنکا اٹھا لیتے اور کہتے۔ "کاش میں یہ تنکا ہوتا۔" "کاش میں پیدا نہ ہوا ہوتا۔ کاش میری ماں نے مجھے جنا نہ ہوتا۔ کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا۔"

ابی سلامہ کہتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ حرم میں کچھ مردوں اور عورتوں کو مار مار کر ہٹا رہے ہیں۔ وہ سب ایک جگہ وضو کر رہے تھے۔ اس کے بعد فرمایا میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ حوض بنا دیے جائیں۔" آپ وہاں سے ہٹے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ مل گئے۔ آپ ان سے کہنے لگے علیؓ! میں نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال

لیا ہے۔ حضرت علیؓ نے پوچھا وہ کیسے؟ آپؓ بولے "میں نے اللہ کے حرم میں مردوں اور عورتوں کو مارا۔" حضرت علیؓ نے کہا۔ "امیرالمؤمنین! آپ تو ملت کے نگہبان ہیں، اگر آپ نے مارا بھی ہے تو نصیحت اور اصلاح کی نیت سے مارا ہے، اگر کسی دنیاوی یا ذاتی غرض کی بنا پر ایسا کرتے تو ظلم ہوتا۔"

لوگوں پر آپ کی سختی اور دار و گیر اگرچہ کسی دنیاوی غرض اور ذاتی مخاصمت پر مبنی نہیں تھی۔ مگر اس کے باوجود آپ ہمیشہ اس خیال سے لرزاں رہتے کہ کہیں ناحق کسی پر مؤاخذہ نہ کر بیٹھوں اور بار بار اپنے ساتھیوں سے کہتے مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں اس آیت "وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَیْرِ مَا اکْتَسَبُوْا" [1] کا مصداق نہ بن جاؤں۔

حضرت عمر فاروقؓ صبح کی نماز میں طویل قرأت کرتے اور جب کوئی ترہیب اور عذاب و عقاب کی آیت یا واقعہ گزرتا تو آپؓ کے آنسو جاری ہو جاتے۔ عبداللہ بن شدادؓ کہتے ہیں کہ "میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی آپ سورہ یوسف پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ [2] تو اس وقت میں نے آپ

---

[1] سورہ الاحزاب، آیۃ : ۵۸
[2] سورہ یوسف ، آیۃ ۸۶

کے رونے کی آواز سنی حالانکہ میں پچھلی صفوں میں تھا۔"

عبداللہ بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ "کثرتِ گریہ کی وجہ سے فاروقِ اعظمؓ کے رخساروں پر نشان پڑ گئے تھے۔"

حضرت عمرؓ کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ لوگوں کو صبح کی نماز پڑھاتے تھے تو آپ پر گریہ اتنا غالب آجاتا تھا کہ میں تیسری صف میں ان کے رونے کی آواز سنتا تھا۔

ابو عثمان مہدیؒ کا بیان ہے کہ" میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا، بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور یہ دعا مانگ رہے ہیں۔

اللّٰھم ان کنت کتبتنا عندک فی شقوۃ وذنب فانک تمحو ما تشاء
وتثبت وعندک ام الکتاب فاجعلہا سعادۃً ومغفرۃً

جب قیصر و کسریٰ کی حکومتیں مسلمانوں کے زیرِ نگیں آئیں اور وہاں کے خزانے اور سونے چاندی کے انبار مسجدِ نبویؐ میں لاکر ڈالے گئے تو امیر المومنین عمر فاروقؓ نے ان کو دیکھا، سونے اور چاندی پر سورج کی شعاعیں پڑ رہی تھیں اور اس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی، آپ رونے لگے، لوگوں نے عرض کیا امیر المومنین! کیا آج بھی حزن و ملال کا دن ہے؟ فرمایا:۔

"یہ میں بھی جانتا ہوں کہ آج بظاہر حزن و ملال کا دن نہیں ہے۔ بلکہ خوشی اور انبساط کا دن ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے نبیؐ کے

فرمودات کو آج پورا کر دیا اور عرب کے نادار اور بے خانماں بدوؤں کو اسلام نے یہ عزت و شرف بخشا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے قدموں میں پڑے ہیں۔ مگر یاد رکھو۔ اللہ تعالیٰ جس قوم میں دولت کی فراوانی کرتے ہیں اس قوم میں تفرقہ اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور یہی تصور ہے جو مجھ کو رُلا رہا ہے۔"

ایثار و قربانی کے عملی مظاہرے

حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں عام تذکرہ نگاروں نے صرف اس پہلو پر زور دیا ہے کہ وہ سخت گیر تھے، قانون اور ضابطے کی پابندی میں کسی رعایت کے روادار نہیں تھے خواہ وہ قانون اور ضابطہ، قرآنی ہو یا حکومت کا نافذ کردہ۔ وہ سختی اور تشدد میں امیر و غریب، کم تر و برتر، اپنے اور بیگانے کی تمیز روا نہیں رکھتے تھے، تذکرہ نگاروں نے جو کچھ لکھا ٹھیک لکھا مگر زیادہ بہتر ہوتا کہ وہ اس پہلو کو بھی اتنی ہی فصاحت اور تفصیل کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کرتے کہ عمر فاروقؓ نے جو کچھ بھی کیا یا کہا پہلے اسے اپنی ذات پر آزمایا، کسی سختی اور تشدد سے کبھی اپنی ذات کو مستثنیٰ نہیں کیا، جب ایک روز اپنی عزیز تر بیٹی (ام المومنین) حضرت حفصہؓ سے ملنے گئے تو انہوں نے اپنے باپ کی آمد کی خوشی میں شوربے کی قسم کا

کوئی سالن پکایا اور آپ کے سامنے لا کر رکھا، آپؓ نے دیکھا تو اس میں گھی کا ترمراہٹ نظر آیا، ہاتھ کھینچ لیا اور کہنے لگے۔ " بیٹی میں ایسی چیز نہیں کھا سکتا جس میں دو مزے ہوں۔"

دوسرے حکام اور امرا آپ کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے ڈرتے تھے کیوں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے لیے کھانے کا جو معیار مقرر کر رکھا تھا دوسرے لوگوں کے لیے ایک آدھ وقت بھی اس کا نباہنا مشکل تھا۔

جب جزیرہ نمائے عرب (فاروقی دور میں) قحط[1] کی لپیٹ میں آیا اس وقت آپ نے جس ایثار پسندی اور جفاکشی کی روش اختیار کی ہمیں یقین ہے کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، قحط کی پوری مدت میں آپ نے زیتون پر گزارہ کیا، مسلسل زیتون کھانے سے آپ کی رنگت بدل گئی تھی اور پیٹ میں شدید درد اور مروڑ ہونے لگا تھا، جب پیٹ میں زیادہ درد ہوتا تو اس پر ہاتھ مارتے اور کہتے:

" جب تک ملک کی اور مسلمانوں کی یہ حالت ہے اس وقت تک یہی کھانا پڑے گا۔"

ان تمام باتوں کے باوجود حضرت عمرؓ فرمایا کرتے " میں خوب

---

[1] ۱۸ھ ہجری میں مسلمانوں کو قحط سے دوچار ہونا پڑا، اس سال کو " سرخ آندھیوں کا سال" کہتے ہیں۔

جانتا ہوں کہ اچھی غذاؤں سے بہرہ ور ہو سکتا ہوں مگر میرے پیش نظر ہر وقت اللہ جل شانہٗ کا یہ ارشاد ہوتا ہے۔ "تم لوگ دنیاوی لذتوں میں اس درجہ مگن نہ ہو جاؤ کہ تمہاری نیکیاں اکارت ہو جائیں۔"

حضرت عمرؓ جو اپنی ذات پر اس درجہ سختی کرتے تھے وہ اس جذبہ کے تحت تھا کہ ہمیں اللہ جل شانہٗ کے یہاں سے جو لازوال نعمتیں اور مسرتیں ملنے والی ہیں، دنیاوی لذتوں میں پڑ کر کہیں وہ زائل نہ ہو جائیں۔

جہاں حضرت عمر فاروقؓ کی اپنی اور اپنے اہل و عیال کے لیے سخت گیری شدت پسندی کی وجہ یہ تھی کہ وہ دنیا کی چند روزہ مسرتوں کے بالمقابل آخرت کی اَن مٹ اور لازوال نعمتوں کو ترجیح دیتے تھے وہاں اس عمل کی تہہ میں ایک اور جذبہ بھی کارفرما تھا اور وہ یہ تھا کہ آپؓ ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہتے تھے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کی سختیاں کس حد تک اٹھائی ہیں۔ ظاہر ہے کہ آں حضرت علیہ السلام کی زندگی مادی اعتبار سے بڑی کٹھن تھی۔ اس درجہ کٹھن کہ فاقہ تک نوبت آجاتی تھی! حضور علیہ السلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی بھی ہر قسم کے عیش و آرام سے دور تھی، تمام تر دنیاوی راحتیں حاصل کرنے کی قدرت کے باوجود ابوبکرؓ کی زندگی عسرت و تنگدستی کا نمونہ تھی۔ فاروقِ اعظمؓ ہر مرحلہ پر یہ بات پیش نظر رکھتے تھے کہ ان کا لباس، کھانا پینا، رہن سہن

اور گھر بار کو ئی چیز آنحضرتؐ اور ابو بکرؓ سے بہتر نہ ہونے پائے، دورِ فاروقی میں جب ہر سمت سے دولت کھچی چلی آ رہی تھی، حریم خلافت میں مال غنیمت کے انبار لگ رہے تھے تو حضرت عمر کو رسالت مآبؐ اور خلیفۃ الرسولؐ کی ناداریاں اور مال و منال سے محرومیاں یاد آتی تھیں، انہیں یاد کر کر کے آپ رونے لگتے تھے اور بسا اوقات آپ کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں، حضرت عمرؓ کی یہ گریۂ زاری اور دنیاوی زندگی میں آپ کی بے مائگی دیکھ کر آپ کے ساتھی انتہائی کرب محسوس کرتے، ایک بار آپ کے ساتھیوں نے آپ کی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے درخواست کی کہ اپنے والد کو سمجھائیں کہ وہ اپنے نفس پر اتنی جفاکشی نہ کریں۔ حضرت حفصہؓ نے یہی بات اپنے والد سے کہی تو انہوں نے ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا اور حضرت حفصہؓ کو اس انداز سے آقائے نامدار کی زندگی کی ناداریاں اور مصیبتیں یاد دلائیں کہ وہ بھی آب دیدہ ہو گئیں[1]

اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے لیے اس کٹھن، جاں گسل اور مصائب سے بھرپور زندگی قبول کر لینے کی یہ وجہ نہ تھی کہ آپ اگر بیت المال سے اپنے اخراجات کی فراخی کے ساتھ کفالت نہیں کرنا چاہتے تھے تو منصب خلافت اور امیر المؤمنین کی حیثیت سے ہٹ کر آپ ایسے بے سروسامان

---

[1] "الشیخان"، ڈاکٹر طٰہٰ حسین

اور بے وسیلہ تھے کہ اپنے ذاتی ذرائع سے بھی زندگی کی سہولتیں اور آسائشیں مہیا نہیں کر سکتے تھے، یقیناً سب کچھ ہو سکتا تھا مگر فاروقِ اعظمؓ تو اپنی زندگی کی سب سے بڑی فوز و فلاح اور قلب و نظر کے لیے دائمی سکون جنابِ رسالت مآب اور جناب ابوبکر صدیقؓ کی پیروی اور ان کے نقشِ قدم پہ چلنے میں محسوس کرتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے:

"میرے دو ساتھی تھے، ان دونوں نے ایک خاص انداز سے زندگی کے دن کاٹے ہیں، میری یہ خواہش ہے کہ ہو بہو ان کے طریقوں پر عمل کروں کیونکہ اگر میں نے ان کے طریقہ سے سرِ مُو بھی انحراف کیا تو بعد میں آنے والے لوگ میری مثال دے کر آنحضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے طریقے سے ہٹنے کی کوشش کریں گے"۔[1]

ذاتی مصارف

خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد عمر فاروقؓ نے اپنے ذاتی مصارف کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا، صحابہؓ نے بقدر ضرورت لینے کی اجازت دی، کچھ روز بعد امیر المؤمنین کی ضروریات میں اضافہ

---

[1] "الشیخان" ڈاکٹر طٰہٰ حسین

ہوا تو صحابہؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے ذریعہ اس بات کی تحریک کی کہ فاروق اعظم بیت المال سے لیے جانے والے وظیفہ میں اضافہ کر لیں، جب حضرت حفصہؓ نے صحابہ کی اس خواہش کو آپ کے سامنے رکھا تو سخت ناراض ہوئے۔ حفصہؓ سے رسول اللہ کی معاشرت، لباس اور بچھونے کو پوچھا کہ کیا تھا اور آپؐ کا گزر بسر کیسے ہوتا تھا۔ ام المومنین حفصہؓ نے تفصیل بتائی تو فاروق اعظم بولے " خدا کی قسم میں فضول خرچی کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ نہ دنیا کی راحتوں کو آخرت پر ترجیح دیتا ہوں۔ میرے پہلے دونوں ساتھیوں کی بعینہٖ ایسی مثال ہے کہ تین آدمیوں نے سفر کیا۔ پہلا تو اپنا زادِ سفر لے کر گزر گیا اور منزل تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد دوسرے نے اس کی پیروی کی، وہ بھی اس سے جا ملا۔ اب دونوں کے بعد تیسرے کی باری آئی، اگر اس نے ان دونوں کا راستہ اختیار کیا اور ایسا ہی زادِ راہ لیا تو یہ بھی منزلِ مقصود پر پہنچ کر اُن سے جا ملے گا۔ اور اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو نہ منزلِ مقصود پر پہنچ سکتا ہے اور نہ ان دو ساتھیوں سے مل سکتا ہے۔[1]

غزوات میں شرکت

ہجرت کے بعد جب باقاعدہ ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں

[1] تاریخ ابن خلدون جلد اوّل ص۳۴۶ - ۳۴۷

آگیا، اور دشمنانِ اسلام سے حرب و ضرب کا آغاز ہوا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں حضور علیہ السلام کے شانہ بشانہ اپنی شجاعت اور جوانمردی کے جوہر دکھائے۔ اور اکثر مواقع پر نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

کفر و اسلام کا جو پہلا معرکہ پیش آیا، غزوۂ بدر، اس میں آپؓ نے جاں نثاری اور عشقِ رسول کا زبردست مظاہرہ کیا۔ میدانِ کارزار میں آپ کے حقیقی ماموں عاص بن ہشام آپ کے سامنے آئے اور آپ نے تمام رشتوں ناطوں سے بے نیاز ہو کر ان کا سر قلم کر دیا۔

غزوۂ احد میں جب اسلامی لشکر میں حضور علیہ السلام کی شہادت کی خبر سے ابتری پھیلی اور صحابہ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، اس وقت حضرت عمرؓ ثابت قدم رہے، اور میدان جنگ سے نہیں ہٹے، نبی علیہ السلام جس وقت کوہِ احد پر تشریف لے گئے تو آپ حضورؐ کے ہمراہ تھے۔ اس موقعہ پر ابوسفیان کی باتوں کا دنداں شکن جواب آپ ہی نے دیا۔

غزوۂ خندق میں میدان جنگ کے ایک حصہ کی حفاظت آپ کے سپرد تھی، بعد میں اس مقام پر بطور یادگار ایک مسجد آپ کے نام سے تعمیر کی گئی۔

غزوۂ بنی مصطلق میں پیش قدمی کرنے والے لشکر کی کمان آپ کے

سپرد تھی، آپ نے اگلے مورچوں میں جاکر دشمن کا ایک جاسوس گرفتار کیا، اور اس سے بہت سی خفیہ معلومات حاصل کیں۔ بعد میں اس جاسوس کو قتل کیا گیا۔ اس واقعہ سے دشمنوں میں کافی خوف و ہراس پھیل گیا، اسی غزوہ میں یہ خدمت بھی آپ کے سپرد کی گئی کہ عین ہنگامۂ جنگ میں اعلان کریں کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لے گا، اس کے لیے امان ہے۔

جب صلح حدیبیہ کا واقعہ ہوا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طبیعت پر ایمانی غیرت و حمیت کا اتنا غلبہ تھا کہ آپ اس صلح پر راضی نہ تھے۔ فرطِ جذبات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے: کیا آپ خدا کے سچے نبی نہیں ہیں؟ کیا ہم حق پر، اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا: یقیناً ایسا ہی ہے۔ کہنے لگے: اگر یہ صحیح ہے تو پھر ہم دب کر کیوں صلح کریں؟ اگرچہ بعد میں آپ نادم ہوئے کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ایسی بے باکانہ گفتگو کیوں کی، فرمایا کرتے کہ: "میں نے اتنے روزے رکھے، اتنی نمازیں پڑھیں، اس قدر صدقہ و خیرات کیا کہ یہ یقین ہو گیا کہ میں نے جو بے باکی کی تھی، اس کی تلافی ہو گئی ہے۔

حدیبیہ سے واپسی پر جب سورۂ "الفتح" نازل ہوئی تو رسول اللہؐ

صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے آپ ہی کو سنائی۔
غرض تمام غزوات میں آپ نے جاں نثاری کے بڑے مظاہرے کیے۔

منصب خلافت پر

۲۲ جمادی ۱۳ ہجری بروز دوشنبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وفات پائی، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مدتِ خلافت سوا دو برس تھی۔ اس عہد میں جتنے بڑے بڑے کام انجام پائے سب حضرت عمرؓ کی رائے اور مشورے سے انجام پائے، حضرت ابوبکرؓ کو حضرت عمرؓ کی طویل رفاقت سے یہ تجربہ اور یقین ہو گیا تھا کہ:

"میرے بعد خلافت و امامت کا بارگراں عمر فاروقؓ کے سوا کوئی نہ اٹھا سکے گا، ابوبکر صدیقؓ کی دوررس نگاہیں بھانپ گئی تھیں کہ تمام صحابہؓ میں عمر فاروقؓ سے بہتر کوئی شخص منصبِ خلافت کے لیے موجود نہیں ہے۔"

پھر بھی وفات کے قریب صدیق کاملؓ نے عام مسلمانوں کی رائے کا پوری طرح اندازہ لگانے کے لیے بڑے بڑے صحابہؓ سے مشورہ کیا، عثمان غنیؓ کو بلا کر فاروق اعظمؓ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا۔

"میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ عمرؓ کا باطن اس کے ظاہر سے اچھا ہے۔"

عبدالرحمان بن عوفؓ سے پوچھا۔ تو انہوں نے کہا :

" عمرؓ کی قابلیت میں کیا کلام ہے، تردد صرف اتنا ہے کہ ان کے مزاج میں سختی ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا :۔

" اُن کی سختی اس لیے تھی کہ میں نرم تھا۔ جب سارا کام انہی پر آپڑے گا تو وہ نرم ہو جائیں گے۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے طلحہؓ کے جواب میں فرمایا :

" اگر خدا نے پوچھا تو یہ جواب دوں گا کہ اپنے بعد مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ ایسے شخص کو بنا کر آیا ہوں جو تیرے بندوں میں سب سے بہتر تھا۔"

یہ کہہ کر حضرت عثمانؓ کو بلایا اور خلافت کے بارے میں ایک عہدنامہ لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوائے تھے کہ غش آگیا۔ حضرت عثمانؓ نے یہ حالت دیکھ کر اپنی طرف سے یہ الفاظ لکھ لیے کہ " میں عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔" تھوڑی دیر بعد ابوبکرؓ کو ہوش آیا تو عثمان غنیؓ سے پوچھا۔ سناؤ کیا لکھا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ عمرؓ کا نام لکھ دیا ہے۔ یہ سن کر ابوبکر صدیقؓ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا خدا تم کو جزائے خیر دے۔

عہدنامہ مکمل ہوا تو اپنے خادم خاص کو دیا کہ جو لوگ باہر جمع ہیں ان کو پڑھ کر سنا دے۔ پھر خود بالاخانہ سے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"میں نے اپنے کسی بھائی بند یا عزیز رشتہ دار کو خلیفہ مقرر نہیں کیا۔ بلکہ میں نے عمرؓ کو خلیفہ اور امیرالمومنین مقرر کیا ہے۔ کیا تم سب لوگ اس پر راضی ہو۔"

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ سمعنا واطعنا۔ ہم نے سن لیا اور ہم آپ کی اطاعت کرتے ہیں۔[1]

اس کے بعد صدیق کاملؓ نے حضرت کو کچھ نصیحتیں کیں جو حضرت عمرؓ کے لیے ایک عمدہ دستورالعمل ثابت ہوئیں۔

وظیفے اور تنخواہیں

مسند خلافت سنبھالنے کے بعد آپ نے اپنے اعزہ بلکہ اہل و عیال سے زیادہ جناب رسالت مآب کے عزیز و اقارب کا پاس و لحاظ رکھا۔ جب صحابہؓ کے وظیفے مقرر کرنے چاہے تو بڑے بڑے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ سب نے رائے دی کہ بحیثیت امیرالمومنین آپ کو مقدم

[1] سیرت مصطفیٰ جلد سوم۔ از مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، الفاروق از علامہ شبلی نعمانیؒ

رکھا جائے۔ مگر آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ آنحضرتؐ کے تعلق اور قرابت کے لحاظ سے وظیفے باندھے جائیں۔ چنانچہ سب سے پہلے بنی ہاشم اور ان میں بھی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کو مقدم رکھا۔ اپنے خاندان کو پانچویں نمبر پر رکھا۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی سب سے زیادہ بدری صحابہؓ کی مقرر کیں۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اصحاب بدر میں سے نہ تھے مگر کیوں کہ حضور علیہ السلام کے نواسے تھے اس لیے ان کے وظیفے بدری صحابہ کے برابر مقرر کیے گئے۔

<u>وظیفوں کی ترتیب اس طرح قائم کی گئی:</u>

حضرت عباس بن عبدالمطلب	۵۰۰۰ درہم سالانہ
حضرت علی بن ابی طالب	" " "
ازواج مطہرات	۱۰۰۰۰ " "
حضرت عائشہ صدیقہؓ	۱۲۰۰۰ " "
اہلِ بدر	۵۰۰۰ " "
اصحاب بدر کے لڑکوں کے لیے	۲۰۰۰ " "
شرکاء بدر کے بعد سے صلح حدیبیہ تک اصحاب	۴۰۰۰ " "
انصار	۴۰۰۰ " "
اسامہ بن زید	۴۰۰۰ " "

مہاجرین قبل فتح مکہ اور شرکاءِ فتح مکہ و غزوات تا واقعہ قادسیہ	۳۰۰۰ درہم سالانہ
جو لوگ فتح مکہ کے بعد ایمان لائے یا جنگِ قادسیہ ویرموک میں شریک ہوئے۔	۱۰۰۰ " "
شرکاء جنگ یمامہ	۲۰۰۰ " "
یمن اور قیس والوں کو جو شام میں تھے	۴۰۰۰ تک علی قدر مراتب
قادسیہ ویرموک کے بعد کے مہاجرین	۱۰۰۰ درہم سالانہ
مثنیٰ کی فوج ردلیف	۵۰۰ " "
لیث اور اُن کے بعد کی فوج	۳۰۰ " "
ربیع کی فوج ردلیف	۲۵۰ " "
اہلِ بدر کی بیویوں کو	۵۰۰ " "
اہل بدر کے بعد سے شرکاء صلح حدیبیہ تک کی بیویوں کو صلح حدیبیہ کے بعد کی بیویوں سے عہد فاروق تک کی بیویوں کے لیے	۳۰۰ " "

(حضرت حسنؓ و حسینؓ، ابوذرؓ اور سلمانؓ کو باستثناء اہل بدر، اہلِ بدر میں شریک کر کے پانچ پانچ ہزار درہم تنخواہیں دی گئیں۔)

فوجی نظام

فاروقِ اعظمؓ نے اسلامی حکومت کے فوجی نظام اور دفاعی صلاحیت پر کتنی توجہ دی اس کا اندازہ انتہائی اجمالی طور پر ان باتوں سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاس، مصر، دمشق اور اردن میں مستقل فوجی چھاؤنیاں قائم کیں،

جہاں ہر وقت کم سے کم چار چار ہزار گھوڑے جنگی مقاصد کے استعمال کے لیے تیار رہتے تھے، فوجی اہمیت کے بہت سے مقامات پر دفاعی نقطۂ نظر سے قلعے تعمیر کرائے، فوجی بھرتی عام کی گئی۔ سپاہی کی کم سے کم تنخواہ دو سو بیس درہم سالانہ رکھی گئی۔ فوجی افسروں کی تنخواہیں پانچ ہزار درہم سالانہ سے سات ہزار درہم سالانہ تک مقرر کی گئیں۔ آپؓ نے مسلح فوج کی تعداد دس لاکھ تک پہنچا دی اور پھر ہر سال تیس ہزار کی مزید بھرتی کی جاتی۔ فوجیوں کے بچوں کے وظیفے مقرر کیے اور ان کو خصوصی رعایتیں دی گئیں، فوجی مقاصد کے لیے بہت سی سڑکیں اور پل تعمیر کیے گئے۔ فوجیوں کو ہر چار ماہ بعد چھٹی کی سہولت دی گئی ؎۱

؎۱ تاریخ اسلام معین الدین ندوی۔ جلد اوّل

رعایا پروری

فاروقِ اعظمؓ کی نظر خلافت کی ظاہری شان وشوکت پر نہ جاتی تھی وہ ہمیشہ اس کی دشواریوں اور ذمہ داریوں پر نظر رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت نے نہ انہیں کبھی مغرور کیا اور نہ کبھی اس کی ظاہری چمک دمک سے ان کی آنکھیں خیرہ ہوئیں، فرض کا یہ احساس ان میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ تاریخ اپنے کسی دَور میں اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ اس احساس کی تصویر کھینچنے کے لیے خود ان کے اس قول سے بہتر الفاظ ہمیں نہیں مل سکتے کہ

"میں رعایا کی دیکھ بھال کیسے کر سکتا ہوں، جب تک مجھ پر بھی وہی کچھ نہ بیتے جو اُس پر بیتتی ہے۔"

اور یہ اسی احساس کا کرشمہ تھا کہ کمزوریوں اور محتاجوں کے جذبات کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے فاروقِ اعظمؓ نے اپنے آپ کو ہمیشہ اُنہی کی سطح پر رکھا۔

جس وقت مدینہ میں مالِ غنیمت کے انبار لگ رہے تھے اس وقت بھی عمر فاروقؓ نے اس میں سے اتنا ہی حصہ لیا جتنا کہ ایک عام مسلمان لیتا تھا۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ:

"اللہ کا مال میرے لیے ایسا ہے جیسے کسی یتیم کا مال اس کے

سرپرست کے لیے۔ ضرورت نہیں ہوتی تو اسے ہاتھ نہیں لگاتا، احتیاج ہوتی ہے تو بقدرِ حاجت لے لیتا ہوں۔" [1]

حضرت عمرؓ نے خلافت سے اپنے لیے کچھ نہ چاہا، بلکہ وہ جس طرح مسلمانوں کے اتحاد اور آزادی کے امین اور نگران تھے اسی طرح اپنے آپ کو ان کے مال کا بھی امانت دار سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک خلافت کو پدرانہ حیثیت حاصل تھی، جس طرح باپ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے اسی طرح امیرالمؤمنین مسلمانوں کا خیال رکھتے تھے۔

ایک رات وہ مدینہ سے نکلے، ان کے غلام سالم ان کے ساتھ تھے۔ ایک خیمہ نظر آیا، دونوں اس کی طرف بڑھے، وہاں ایک عورت دردِزہ کی تکلیف سے کراہ رہی تھی، آپ نے اس کا حال پوچھا، بولی میں ایک غریب اور بے کس عورت ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے —
حضرت عمر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اپنے گھر آئے اور اپنی بیوی حضرت ام کلثومؓ سے کہا۔ اللہ نے ایک نیکی تمہاری طرف بھیجی ہے اُسے حاصل کرو گی؟ انہیں پورا واقعہ سنایا۔ وہ بولیں ضرور، حضرت عمرؓ نے آٹا، گھی وغیرہ اپنی پیٹھ پر لادا، حضرت ام کلثومؓ نے تیمارداری کا ضروری

---

[1] عمر فاروقِ اعظمؓ۔ محمد حسین ہیکل

سامان لیا اور دونوں خیمے کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ام کلثومؓ خیمہ کے اندر اس عورت کے پاس چلی گئیں اور حضرت عمرؓ باہر اس کے شوہر کے پاس بیٹھ گئے۔ عورت کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو امِ کلثومؓ بے ساختہ پکار اٹھیں۔ امیر المومنین! اپنے دوست کو بیٹے کی خوش خبری سنا دیجئے! اس شخص نے جو یہ آواز سنی تو چونک پڑا۔ اور لگا معذرت کرنے۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا نہیں کوئی بات نہیں، اس کے بعد کھانے پینے کی چیزیں اسے دے کر واپس چلے آئے۔

فضائل اور انفرادی خصوصیات

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے۔

"میرے رب نے تین باتوں میں میری موافقت کی۔

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہی اچھا ہو اگر ہم مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنالیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ازواج مطہرات کی موجودگی میں آپ کے پاس ہر قسم کے اچھے برے لوگ آتے ہیں کیا ہی اچھا ہو اگر آپ امہات المومنین کو پردہ کا حکم دے دیں۔

معاً آیتِ حجاب نازل ہوئی، جب امہات المؤمنین نے حضور علیہ السلام سے کچھ مطالبات کیے اور حضورؐ نے اظہارِ ناراضگی فرمایا تو میں امہات المؤمنین کے پاس گیا اور ان سے کہا۔ یا تو اپنی اس روش سے باز آجاؤ ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے گا بعض ازواجِ مطہرات نے میرے اس طرزِ تخاطب پر خفگی کا اظہار بھی کیا اور میری نصیحت کو گھریلو معاملات میں مداخلت سمجھا چنانچہ کہنے لگیں عمرؓ تم اور معاملات میں تو دخل دیتے ہی تھے اب ہمارے خانگی معاملات میں بھی دخل دینے لگے۔"

مگر اللہ جل شانہٗ کو عمر فاروقؓ کا رتبہ بڑھانا مقصود تھا فوراً یہ آیت نازل ہوگئی عسیٰ ربہ ان طلقکن ان یبدلہٗ ازواجاً خیر امن کن مسلمات[1]

حضرت عمر فاروقؓ کی فضیلت اور برتری اس وقت بھی ظاہر ہوئی جب جنگِ بدر کے قیدی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے مشورہ کیا کہ "ان قیدیوں کو قتل کردیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔" صدیق اکبرؓ کے پیشِ نظر یہ

---

[1] سورہ تحریم، آیۃ : ۵

بات تھی کہ ان قیدیوں سے بطور فدیہ جو مال حاصل ہوگا وہ مسلمانوں کی جنگی تیاریوں میں کام آئے گا، حضرت عمرؓ نے کہا۔ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ حالانکہ اسیرانِ بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے، حضرت عباس، حضرت عقیل، ابوالعاص بن الربیع، ولید بن الولید۔ ان سرداروں کا گرفتار ہوکر آنا بڑا عبرت خیز سماں تھا، جس سے سبھی کے دل متاثر تھے حتیٰ کہ ام المؤمنین حضرت سودہؓ بھی بے اختیار کہہ اٹھیں اعطیتم بایدیکم هلّا متم کراماً - تم لوگ مجبور و بے بس ہوکر آئے ہو اس سے بہتر تھا کہ عزت و شرافت کی موت اختیار کر لیتے۔

حضرت عمرؓ کے پیشِ نظر دو باتیں تھیں مسلمانوں پر قریش کے بے پناہ مظالم، اور دوسرے ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اسلام کے مقابلہ میں رشتہ اور قرابت کو دخل نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ حضرت عمرؓ اس معاملہ میں اتنے متشدد تھے کہ آپؓ نے کہا:

"ہر شخص کو اس کا عزیز دے دیا جائے (جو گرفتار ہوکر آیا ہو) اور وہ اس کو قتل کر دے۔"

آقائے نامدار نے شانِ رحمت کے تقاضے سے مجبور ہوکر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے پسند فرمائی اور بدر کے تمام قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ما کان لنبی ان یکون له

اسریٰ حتی یثخن فی الارض ؎

اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ملامت کی کیوں کہ مسلمانوں نے اس سے پہلے کہ وہ کافروں کے دلوں میں اپنا رعب و دبدبہ بٹھا سکیں، فدیہ کی رقوم قبول کر لی تھیں حالاں کہ مسلمانوں کے لیے یہ لازم تھا کہ وہ ہر معاملہ میں آخرت کی مصلحتیں پیشِ نظر رکھیں۔

جس وقت عبداللہ بن اُبی کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے (جو مسلمان ہو چکے تھے) حضور علیہ السلام کے پاس آئے اور درخواست کی کہ میرے باپ کی نمازِ جنازہ پڑھائیں، نبی کریم علیہ السلام نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے آمادہ ہو گئے، جب آپؐ مصلے کی جانب تشریف لے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے آپؐ کا دامن کھینچا اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپ اس عبداللہ بن اُبی کی نمازِ جنازہ پڑھاتے ہیں جو کفر کی حالت میں مرا ہے۔ اور جو آپ کو اور مسلمانوں کو ایسی ایسی (سخت) باتیں کہا کرتا تھا؟ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن اُبی کی نبی علیہ السلام اور مسلمانوں کے حق میں پچھلی تمام بدگوئیوں کی یاد دلائی اور نمازِ جنازہ پڑھانے سے روکا، مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے عمرؓ! مجھے دونوں باتوں کا اختیار دیا گیا ہے کہ ان کے لیے دعائے

؎ سورہ الانفال، آیۃ: ۶۷

مغفرت کروں یا نہ کروں۔
بہرحال حضور علیہ السلام نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس کی قبر پر کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی اس جرأت پر سب کو حیرت ہوئی مگر کسے معلوم تھا کہ قدرت خود زبانِ عمر سے یہ کہلوا رہی ہے۔ چنانچہ حضورؐ وہاں سے ہٹنے نہ پائے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی: ولا تصل علی احدٍ منھم مات ابداً ولا تقم علی قبرہ (ان منافقین میں اگر کوئی مر جائے تو اس پر ہرگز نماز پڑھیئے اور اس کی قبر پر کھڑے تک نہ ہوئیے)
حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کہتے ہیں کہ "میں حضور علیہ السلام کے برابر بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ابوبکر و عمر گزرے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اے علیؓ قریب ہو جا، میں قریب ہو گیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کیا تو نے ان دونوں کو دیکھا ہے؟ انہیں دیکھ لے۔ یہ دونوں جنت کے ادھیڑ عمر کے لوگوں کے سردار ہیں، صرف میری اُمت ہی کے نہیں بلکہ انبیا اور مرسلین کے سوا تمام اوّلین و آخرین کے۔
حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حذیفہ اور حضرت ربعی بن خراش بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ "میرے بعد ان کی اقتداء کرنا، اور حضرت ابوبکر و عمرؓ کی طرف اشارہ کیا۔"
ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:
"میرے دو وزیر آسمان میں ہیں۔ جبریل و میکائیل، اور دو زمین

پر۔ ابوبکرؓ و عمرؓ۔"

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار میں تشریف لاتے، ان میں ابوبکرؓ و عمرؓ بھی ہوتے۔ ہم میں سے کسی کی جرأت نہ ہوتی کہ حضورؐ کے روئے انور کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھیں۔ مگر ابوبکرؓ و عمرؓ آپؐ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے اور حضورؐ ان دونوں کی جانب نظر اٹھا کر خطاب فرماتے اور بسا اوقات تبسم بھی فرماتے اور ہم میں سے کسی کی جرأت نہ ہوتی کہ حضورؐ کے سامنے مسکرائیں بھی مگر ابوبکرؓ و عمرؓ حضورؐ کے سامنے مسکرا لیتے تھے۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "میں نے جبرئیل امین سے پوچھا کہ عمرؓ کے فضائل تو بتلاؤ۔ جبرئیلؑ بولے۔ اگر میں آپ کے ساتھ اتنی مدت بھی رہوں جتنی نوح علیہ السلام (یعنی نو سو پچاس برس) اپنی امت میں رہے اور عمرؓ کے فضائل بیان کرتا رہوں تب بھی پورے نہ ہوں گے اور حالانکہ عمرؓ، ابوبکرؓ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں [1]۔

(اس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حد درجہ فضیلت اور علوِ مرتبت معلوم ہوئی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

---

[1] عمر بن الخطاب۔ لابن جوزی

عمر بن الخطاب سراج اہلِ الجنۃِ۔ عمر بن خطاب چراغ اہلِ جنّت ہیں۔

پیغمبر علیہ السلام ہی کا ارشاد ہے کہ:

انّ اللّٰہ جعل الحق علی لسانِ عمر وقلبہٖ اللہ نے عمرؓ کی زبان اور قلب پر حق کو جاری کر دیا ہے۔

اور اس سے بڑھ کر حضرت عمر فاروقؓ کی فضیلت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ایک موقعہ پر نبی خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہونے والا ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔"

سن ہجری کی ابتداء

حضرت عمر فاروقؓ نے حکومتی سطح پر جہاں بے شمار اصلاحات کیں، اور بہت سے انتظامی شعبوں اور محکموں کا اضافہ کیا، وہاں سن ہجری کا تعین اور ابتداء بھی اُنہی کی رہینِ منت ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا، دورِ جاہلیت میں واقعات کو یاد رکھنے کے لیے بعض اہم حادثات و واقعات سے حساب لگاتے تھے۔ مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا، پھر عام الفیل قائم ہوا، یعنی جس سال ابرہہ نے کعبہ پر حملہ کیا تھا، اس کے عام الفجار سے

سن قائم ہوا، اسی طرح اور بہت سے اہم واقعات کو سن کی ابتداء مانا جاتا رہا۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں ان عارضی واقعات سے ہٹ کر ایک مستقل سن کی ابتداء کی۔ اس کے تعین کا سبب یہ ہوا کہ ۱۶ ہجری میں حضرت عمرؓ کے سامنے ایک تحریر پیش ہوئی اس پر صرف شعبان لکھا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کیسے معلوم ہو کہ یہ کونسا شعبان ہے۔؟ اسی وقت مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا گیا، تمام بڑے بڑے صحابہؓ نے اس میں شرکت فرمائی۔ اور یہ اہم مسئلہ پیش کیا گیا، بعض نے رائے دی کہ ایران والوں کی پیروی کی جائے چنانچہ ہرمزان کو جو خوزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لے آیا تھا، بلایا گیا۔ اس نے بتایا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اسے "ماہ روز" کہتے ہیں اور اس میں مہینہ اور تاریخ کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ سن کی ابتداء کب سے قرار دی جائے۔ کسی نے رائے دی کہ حضور کی ولادت سے ابتداء کی جائے، کسی نے کہا کہ بعثت سے سن کا آغاز ہو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اسلامی سن کی ابتداء ہجرت نبوی سے ہونی چاہیے۔ اس رائے کو فاروق اعظمؓ اور دیگر اکابر صحابہؓ نے پسند کیا اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے ربیع الاوّل کی آٹھ تاریخ کو ہجرت فرمائی تھی، اس لحاظ سے ربیع الاوّل

سے اسلامی سن کی ابتداء ہونی چاہیے تھی مگر کیونکہ عرب میں سال محرم سے شروع ہوتا تھا، اس لیے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر اسلامی سن کی ابتداء یکم محرم سے کی گئی۔ [1]

صبح کی نماز میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" (نماز نیند سے بہتر ہے) کا اضافہ بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے کیا گیا۔

ازدواجی معاملات میں فاروق اعظمؓ کی روش

فاروقِ اعظمؓ کے بارے میں بہت سے تذکرہ نگاروں نے یہ بات کہی ہے کہ آپ بیویوں کے معاملہ میں بھی بڑے سخت گیر تھے، عمر فاروقؓ اگر واقعی اس معاملہ میں سخت گیر تھے تو چنداں حیرت کی بات نہیں۔ کیوں کہ دین کے معاملہ میں انہوں نے کبھی کسی کے ساتھ رو رعایت نہیں کی، اس بات کا تجزیہ خود عمر فاروقؓ کرتے ہیں کہ "زمانہ جاہلیت میں، ہم عورتوں کی حق تلفی کیا کرتا تھا مگر اسلام نے عورتوں کو بہت سر بلند کر دیا وہ اتنی جری ہو گئیں کہ بڑھ بڑھ کر جواب دیتی ہیں۔

قرآنی تعلیمات اور حضور علیہ السلام کے اسوۂ زندگی کے بعد عمر فاروقؓ نے

---

[1] الفاروق۔ شبلی۔ ص: ۳۸۲۔ طبع لاہور

کبھی عورتوں کے ساتھ ناانصافی نہیں کی۔ آپ نے اپنی بیویوں کو بھی اُن تمام حقوق سے نوازا جو قرآن نے معین کیے تھے اور دوسرے لوگوں سے ان کی پابندی اور پیروی کرائی۔ آپ نے ہمیشہ عورتوں کو شرعی حقوق سے بہرہ ور ہونے کے مواقع بہم پہنچائے۔

اسلام میں مسلمان مردوں کے لیے جائز ہے کہ وہ کتابی عورتوں سے نکاح کرلیں۔ مگر اس میں کیوں کہ مسلمان عورتوں کی حق تلفی ہوتی ہے اس لیے جب حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا اور حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت حذیفہؓ کو تہدید آمیز خط لکھا:

"میں تمہیں تاکید کے ساتھ حکم دیتا ہوں کہ تمہیں جیسے ہی میرا خط ملے تم اُس (یہودی) عورت کو طلاق دے دو۔ مجھے ڈر ہے کہ دوسرے مسلمان تمہاری پیروی کریں گے، وہ ذمیوں کی عورتوں کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر اُنہیں اپنائیں گے، اس سے مسلمان عورتوں کی حق تلفی ہوگی اور مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گی" [1]

ابتداء میں حضرت عمر فاروقؓ اس بات کے شدید مخالف تھے کہ عورتوں کے مہر چار سو درہم سے زیادہ باندھے جائیں۔ ایک مرتبہ قریش کی ایک عورت

---

[1] رسالہ در مذہب فاروق اعظمؓ۔ از حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہٗ۔

حاضرِ خدمت ہوئی اور کہنے لگی۔ امیرالمومنین! کیا آپ نے لوگوں کو منع کر دیا ہے کہ وہ عورتوں کا چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ باندھیں۔ کیا آپ نے قرآن کریم میں یہ آیت نہیں پڑھی۔

وآتیتم احداھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا
أتاخذونہ بھتانا واثما مبینا [1]۔

یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ اے اللہ! مجھے معاف کر، ہر شخص عمرؓ سے زیادہ سمجھ دار ہے۔ اور پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ بیشک میں تم لوگوں کو اس سے منع کرتا تھا کہ چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ باندھیں۔ مگر اب تم لوگوں کو اختیار ہے جو شخص سہولت اور خوشی کے ساتھ جو کچھ اپنی عورتوں کو دینا چاہے وہ دے دے اُسے اختیار ہے۔

اوّلیاتِ عمرؓ

حضرت عمر فاروقؓ نے ہر شعبہ میں اصلاحات کیں اور بے شمار نئے محکمے اور ادارے قائم کیے۔ مؤرخین انہیں "اوّلیاتِ عمرؓ" سے تعبیر کرتے

---

[1] سورۃ النساء، آیۃ: ۲۰

ہیں۔ ان کی فہرست یہ ہے :۔
(۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا (۲) عدالتیں قائم کیں۔ (۳) قاضی مقرر کیے (۴) ہجری سن اور تاریخ کا اجراء کیا (۵) امیر المؤمنین کا لقب اختیار کیا۔ (۶) فوجی دفتر بنائے (۷) رضاکاروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ (۸) دفتر مال بنایا (۹) پیمائش کا طریقہ جاری کیا (۱۰) مردم شماری کرائی (۱۱) نہریں کھدوائیں (۱۲) شہر آباد کیے (۱۳) ملک کو صوبوں میں تقسیم کیا۔ (۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر ٹیکس لگایا (۱۵) جیل خانہ تعمیر کیا۔ (۱۶) درہ کا استعمال کیا (۱۷) غیر مسلم ملکوں کے تاجروں کو اپنے ملک میں تجارت کی غرض سے آنے کی اجازت دی (۱۸) راتوں کو گشت کرکے رعایا کی خبر گیری کا طریقہ نکالا (۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا (۲۰) فوجی چھاؤنیاں بنائیں (۲۱) پرچہ نویس مقرر کیے۔ راستہ میں سرائے اور چوکیاں بنوائیں۔ (۲۲) گم شدہ بچوں کی پرورش کے الگ فنڈ قائم کیے (۲۳) بے روزگار یہودیوں اور عیسائیوں کے وظیفے مقرر کیے (۲۴) معلموں اور مدرسوں کی تنخواہیں باندھیں۔ (۲۵) قیاس کا اصول قائم کیا (۲۶) صبح کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا (۲۷) نماز تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا (۲۸) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں، بائن قرار دیا (۲۹) شراب نوشی کی سزا اسّی کوڑے مقرر کی (۳۰) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی (۳۱) وقف کا طریقہ ایجاد کیا (۳۲) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع کرایا (۳۳) مساجد میں وعظ

کا طریقہ جاری کیا (۳۴) اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ (۳۵) مسجدوں میں روشنی کا انتظام کیا (۳۶) ہجو کہنے والے کے لیے تعزیر کی سزا مقرر کی (۳۷) غزلیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے کی ممانعت کی [1]۔

---

[1] یہ اولیات تاریخ طبری، تاریخ الخلفاء، عمر بن خطاب (ابن جوزی) الفاروق (علامہ شبلیؒ) اور تاریخ اسلام (شاہ معین الدین ندوی) میں مذکور ہیں۔

فتوحات پر اجمالی نظر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ساڑھے دس برس رہا، حکومتوں اور قوموں کے اقبال وادبار اور عروج وزوال کے لیے یہ کوئی طویل مدت نہیں۔ مگر دنیا نے دیکھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس محدود اور مختصر عرصے میں اسلامی سلطنت کے حدود کتنے وسیع کر دیئے تھے۔ آپ نے چند ہی برس میں ایشیا اور افریقہ کا جغرافیہ بدل دیا۔ تمام مؤرخین اور تذکرہ نگار یہ بات بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مفتوحہ علاقوں کا رقبہ بائیس لاکھ اکیاون ہزار مربع میل تک پہنچ گیا تھا۔ ان اعداد وشمار میں شام، عراق، مصر، جزیرہ، خوزستان، ایران، آرمینیہ آذربائیجان، کرمان، خراسان، اور مکران کے علاقے شامل ہیں۔ ایشیائے کوچک اس میں شامل نہیں۔ ایشیائے کوچک پر (جسے اہلِ عرب روم کہتے تھے) سن ۲۰ ہجری میں حملہ ہوا تھا، اور وہ پورے طور پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں اسلامی ریاست کا حصہ نہیں بنا تھا[۱]۔

---

[۱] الفاروق۔ شبلی نعمانی

شاہ ولی اللہ دہلویؒ "ازالۃ الخفاء" میں لکھتے ہیں:

"امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ حکومت میں ایک ہزار چھتیس (۱۰۳۶) شہر مع ملحقات و مضافات فتح ہوئے۔ ان مفتوحہ علاقوں میں چار ہزار مسجدیں آباد ہوئیں، ان چار ہزار مسجدوں میں نو سو جامع مسجدیں بھی شامل ہیں۔"

ایک نکتہ سنج مؤرخ کے دل میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ اتنی مختصر مدت میں چند مفلس اور بے سروسامان صحرا نشینوں نے فارس، اور روم جیسی عظیم الشان سلطنتوں کو کیسے تہ وبالا کر دیا۔ کیا یہ تاریخِ عالم کا کوئی مستثنیٰ باب ہے؟

یقیناً یہ تاریخِ عالم کا ایک مستثنیٰ باب تھا۔ تاریخ تیمور لنگ، سکندر، اور چنگیز خان جیسے فاتحوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ یہ درست ہے کہ ان لوگوں نے بہت بڑی فتوحات کیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کس طرح؟ ان کی فتوحات ایک تباہ کن آندھی کی طرح اٹھیں، اور اس نے دنیا کے وسیع علاقے کو اُلٹ پلٹ کر کے رکھ دیا۔ جب یہ آندھی تھمی تو دنیا نے دیکھا کہ اس کے پیچھے موت، تباہی، قتل و غارت، اور بدنظمی کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔

کسی عمارت کو منہدم کر دینا، اور کسی شخص کو موت کے گھاٹ اتار دینا بہت آسان ہے۔ ایک عمارت جسے ماہر انجنیئر، اور معمار اپنی تمام دماغی اور جسمانی صلاحیتیں صرف کر کے برسوں میں بناتے ہیں۔ ایک معمولی دیا سلائی

سے تباہ کی جاسکتی ہے۔ ایک چھوٹا سا جانور بڑے سے بڑے انسان کو اپنے زہریلے دانت مار کر آناً فاناً ختم کرسکتا ہے۔ مگر دنیا کا قوی سے قوی، اور ماہر سے ماہر تر انسان ایک مچھر پیدا نہیں کرسکتا۔

یہی حال اس قسم کے فاتحین کی فتوحات کا ہے، ان کی عزت و توقیر اور ہیبت و جلال کا باب، ان کے ساتھ ختم ہوگیا، تاریخ نے ان کی عارضی اور مختصر فتوحات کو محض قتل و غارت، اور جبر و تشدد کی داستان کے طور پر اپنے صفحات میں جگہ دی ہے۔ لیکن اسلامی فتوحات، تاریخ انسانی میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ دنیا کی کسی فتح کو نہ ان سے تشبیہ دی جاسکتی؛ اور نہ ان پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔

فتوحاتِ اسلامی کی خوبیوں کو امام ابن تیمیہ نے صرف ایک فقرہ میں بیان کردیا ہے:

> "قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے اسلام کو قوموں کی طرف منتقل نہیں کیا؛ بلکہ قوموں کو اسلام کی طرف منتقل کیا ہے۔" [1]

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام فتوحات کی تہ میں وہ جذبہ، وہ جوش، عزم و استقلال، دلیری، اور بلند حوصلگی کارفرما تھی جو صحابۂ کرام میں پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] عمر بن الخطاب۔ طنطاوی (اردو) ص: ۹۱

کی تربیت سے پیدا ہوگئی تھی، اور جس کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تیز تر کر دیا تھا۔

وہ لوگ باطل کی قوتوں کے خلاف اس لیے سینہ سپر ہوتے تھے کہ اللہ کی زمین میں اللہ کا بول بالا ہو، وہ جنگ کرتے تو اپنی شرافت کا مظاہرہ کرتے اور اپنی بزرگی کا پورا لحاظ رکھتے، وہ نہ کسی کو مثلہ کرتے، اور نہ کسی زخمی پر ہاتھ اٹھاتے، نہ کسی عورت کے درپے ہوتے، نہ کسی معذور پر دست درازی کرتے، نہ کسی عبادت گاہ کو گزند پہنچاتے، نہ کسی کے گھر کو جلاتے، اور نہ کسی کے کھیتوں اور درختوں کو پامال کرتے۔ انہوں نے دینِ الٰہی کی راہ میں اپنا خون بہایا، اور اپنی جانیں گنوائیں، اپنے بچوں، اور گھر بار کو خیرباد کہا، یہ صرف اس لیے کہ زمین پر قبضہ کرنا، اور دنیا کی سرداری حاصل کرنا ان کا مقصود نہ تھا۔ ان کا مقصد اخلاق، اور انسانی معاشرے کی اصلاح تھا لوگوں کو دین و دنیا کی سعادت بخشنا تھا۔ وہ ان کے لیے فلاحِ دنیا و آخرت کی کنجی یعنی قرآن لے کر گئے اور اپنے حسنِ عمل سے انہوں نے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنایا، لوگوں نے خود اسلام کی طرف قدم بڑھایا، اور مفتوح قوموں سے ایسے ائمہ اسلام ابھرے، اور قرآن وحدیث کے لیے اساتذہ پیدا ہوئے کہ خود فاتحین نے ان کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اس طرح انہوں نے اسلام کو لوگوں کے دلوں میں محبوب بنا دیا، اور اسی کردار نے قرنِ اوّل

کی اسلامی فتوحات کو دوام اور پائداری بخشی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں جو فتوحات ہوئیں، ان کی دوسری تمام نمایاں خصوصیات کے علاوہ، ایک منفرد خصوصیت بھی ہے، وہ یہ کہ تقریباً چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود وہ تمام علاقے جو حضرت عمرؓ نے فتح کیے تھے، آج بھی مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں (ماسوا فلسطین کے)۔

شہادت :

مدینہ منورہ میں مغیرہ بن شعبہ کا ایک مجوسی غلام فیروز نامی رہتا تھا جس کی کنیت ابو لؤلؤ تھی، ایک روز اس نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ میرا آقا (مغیرہ) مجھ سے بہت زیادہ رقم وصول کرتا ہے۔ آپ اس میں کمی کرا دیجئے۔ فاروق اعظمؓ نے رقم کے بارے میں پوچھا تو ابو لؤلؤ نے جواب دیا کہ ۲ دو درہم روزانہ، فاروقِ اعظمؓ نے پیشہ پوچھا تو کہنے لگا۔ آہن گری، نقاشی اور نجاری، حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ان پیشوں کے مقابلہ میں یہ رقم زیادہ نہیں۔ حضرت عمرؓ کے اس جواب سے اس کو بہت طیش آیا اور سینہ میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی۔ خاموش ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔" ابو لؤلؤ! ہم نے سنا ہے کہ تو ایک قسم کی چکی بناتا ہے جو ہوا کے زور سے چلتی ہے۔

مدینہ میں آٹے کی تکلیف رہتی ہے، تو اسی قسم کی ایک چکی بنا دے" اس خبیث نے بڑا ذومعنی جواب دیا۔ کہنے لگا۔ میں ایسی چکی بناؤں گا جس کی آواز اور گھڑگھڑاہٹ اہلِ مشرق و مغرب سنیں گے۔ فاروقِ اعظمؓ اس کے تیور بھانپ گئے اور فرمانے لگے " یہ مجھے قتل کی دھمکی دے رہا ہے۔"

اگلے روز صبح کی نماز سے پہلے ابو لؤلؤ مسجد میں چھپ کر بیٹھ گیا جب فاروقِ اعظمؓ نے نماز پڑھانی شروع کی تو اس نے کونے میں سے نکل کر خنجر سے چھ وار کیے۔ ایک وار ناف کے نیچے پڑا۔ فاروقِ اعظمؓ زمین پر گر پڑے عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے نماز پوری کرائی۔ صحابہؓ میں سے کسی نے نماز نہیں توڑی۔ صفیں اتنی برابر تھیں کہ اس بدبخت کو مسجد سے باہر نکلنے کی قدرت نہ ہوئی مگر اس نے چودہ نمازیوں کو زخمی کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے انتہائی مختصر تلاوت کر کے نماز ختم کر دی۔ نمازیوں نے قاتل کو پکڑ لیا مگر اس نے فوراً خودکشی کر لی۔

نماز ختم ہونے کے بعد لوگ امیرالمؤمنین کو گھر پر لے آئے۔ سب سے پہلے آپؓ نے پوچھا۔ میرا قاتل کون ہے؟ جواب ملا۔ ابو لؤلؤ۔ آپؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ کوئی مسلمان نہیں۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف کو بلا کر فرمایا۔ " میں تمہیں، علیؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، عثمانِ غنیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم لوگ آپس میں مشورہ کر کے اپنے میں سے کسی

کو امیر منتخب کر لینا۔" اس کے بعد فرمایا:

"تم لوگوں میں سے جو امیر منتخب ہو میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ انصار کے حقوق کا پورا پورا لحاظ رکھے، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ کی مدد کی، انہیں اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ یہ تمہارے محسن ہیں۔ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا۔ احسان کرنا۔ ان کی خطاؤں سے درگزر کرنا۔ اور مہاجرین کا بھی خیال رکھنا۔ یہ لوگ اسلام کی بنیاد اور اساس ہیں، ذمیوں کی دیکھ بھال میں کمی نہ کرنا، اللہ کی اور اس کے رسول کی ذمہ داری کو ملحوظ رکھنا یعنی ان سے جو اقرار کرو اُسے نبھانا۔ اس کے بعد آپ نے ہاتھ اٹھا کر کہا اللّٰھم قد بلغت لقد ترکت الخلیفۃ من بعدی علی النقی من الراحتہ۔

ابتدا میں لوگوں کا خیال تھا کہ زخم اتنا کاری نہیں، آپ بچ جائیں گے مگر جب طبیب نے آپ کو نبیذ پلائی تو وہ زخم کی راہ سے نکل گئی پھر دودھ پلایا وہ بھی نکل گیا، تب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب امیر المؤمنین جاں بر نہ ہو سکیں گے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو بلایا اور کہا:

"میری آخری خواہش یہ ہے کہ میں اپنے دو ساتھیوں،

نبی علیہ السلام اور ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں دفن کیا جاؤں۔ تم جاؤ اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے کہو کہ عمرؓ سلام عرض کرتا ہے اور اپنے دو ساتھیوں کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔!!
حضرت عائشہؓ نے اجازت مرحمت فرمائی۔ مگر فاروق اعظمؓ کی احتیاط دیکھئے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا۔ " ہوسکتا ہے ام المؤمنین نے میرے لحاظ میں اجازت دے دی ہو۔ ابھی میں زندہ ہوں، جب میرا جنازہ تیار ہوجائے تو اُسے حجرۂ مبارک سے باہر رکھ دینا اور پھر ام المؤمنین سے عرض کرنا کہ عمر بن الخطاب اپنے دو ساتھیوں کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے اگر اس وقت بھی اجازت دیں تو حضورؐ کے قدموں میں دفنا دینا ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں لے جاکر دفن کر دینا۔
آپ برابر ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ شب چہار شنبہ ۲۷ ذی الحج ۲۳ھ ہجری کو جان، جاں آفرین کے سپرد کر دی۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

امیر المؤمنین

حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ

۵۷۶م — ۶۵۶م

خلافت

ازیکم محرم الحرام ۲۴ ہجری تا ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری

مُدتِ خلافت

گیارہ سال، گیارہ مہینے، اٹھارہ دن

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان غنیؓ کا تعلق قریش کی مشہور شاخ بنی امیہ سے تھا، ماں اور باپ دونوں قریشی تھے۔ پانچویں پشت میں آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ بنی امیہ کا خاندان دورِ جاہلیت سے معزز اور محترم چلا آتا تھا، قریش میں بنی ہاشم کے سوا کوئی ان کا مدِ مقابل نہ تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں آپ کی کنیت ابوعمرو تھی۔ جب اللہ نے دولت اسلام سے نوازا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر حضرت رقیہ رضؓ کا عقدِ نکاح آپ سے کر دیا تو ان کے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے، تب عثمانِ غنی نے اپنی کنیت ابوعبداللہ رکھی۔

پیدائش

آپ کی تاریخ پیدائش میں مؤرخین کا اختلاف ہے لیکن صحیح روایت یہ

ہے کہ ظہورِ اسلام سے چونتیس سال اور ہجرت نبویؐ سے سینتالیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ عمر میں آپ نبی کریم علیہ السلام سے چھ سال چھوٹے تھے۔

ابتدائی حالات

بچپن کے حالات پردہ خفا میں ہیں۔ اُس دور کی ضرورت کے مطابق لکھنا پڑھنا سیکھا۔ عرب کی قومی روایت کے مطابق کچھ روز اونٹ بھی چرائے، ذریعۂ معاش تجارت تھا۔ دیانت و محنت اور راست بازی کی بدولت کاروبار میں اتنی ترقی کی کہ قریش کے دولت مند لوگوں میں شمار ہونے لگے اور اپنی دولت و ثروت کی وجہ "غنی" کہلائے۔

چوتھے مسلمان

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق کے کہنے پر آپ حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت خدیجہؓ اور حضرت علیؓ کے بعد آپ چوتھے شخص ہیں جو اسلام لائے، خود کہا کرتے تھے کہ " اللہ نے میری ذات سے مسلمانوں کا چوتھا وعدہ پُورا فرمایا۔"

ذی النورین کا خطاب

امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کو ذی النورین (دو نور والا) اس لیے کہتے ہیں کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

" حضرت عثمانؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاقات کی، عثمانِ غنیؓ مغموم تھے۔ حضورؐ نے پوچھا۔ عثمانؓ کیا حال ہے؟ عثمانؓ نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں، کیا کسی اور پر بھی ایسا صدمہ گزرا ہے جیسا مجھ پر گزرا ہے ابنتِ رسول رحلت کر گئی۔ میرے اور آپؐ کے درمیان جو سسرالی رشتہ تھا وہ منقطع ہو گیا۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ اے عثمان! تم یہ کہتے ہو۔ جبرئیل نے مجھ کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا ہے کہ میں رقیہؓ کی بہن کلثومؓ کا نکاح اُسی مہر اور اسی طرح تمہارے ساتھ کر دوں۔"

چنانچہ نبی کریم علیہ السلام نے رقیہؓ کے بعد کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا ؎۔

؎ حضرت عثمانِ غنیؓ دنیا کے واحد شخص ہیں جن کی زوجیت میں کسی نبیؐ کی دو بیٹیاں آئی
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر کلثومؓ کا بھی انتقال ہو گیا تو حضورؐ نے فرمایا۔ "اگر میرے اور لڑکی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمانؓ سے کر دیتا۔" یہ ایسی عزت و شرافت ہے جو سوائے عثمانِ غنیؓ کے کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔

اسلام کی خدمات

عثمانِ غنی انتہائی دولت مند تھے، ان کی دولت و ثروت سے اسلام اور مسلمانوں کو بے شمار فائدے پہنچے۔ عثمانِ غنی نے ہر موقع پر انتہائی اولوالعزمی اور دریا دلی سے کام لیا۔

جب حضور علیہ السلام اور صحابہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں صحابہ کو میٹھے پانی کی بڑی مشکل پیش آئی۔ مسجد قبلتین کی شمالی جانب میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا جسے بئرِ رومہ کہتے تھے۔ یہ کنواں ایک یہودی کی ملک تھا۔ اس نے اس کنوئیں کو اپنا ذریعۂ معاش بنا رکھا تھا جن مسلمانوں میں گنجائش تھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ ہوں۔ یہ سعادت عثمانِ غنیؓ کے سوا دنیا کے کسی فرد کو نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت علیؓ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "حضور علیہ السلام نے حضرت کلثومؓ کے انتقال پر فرمایا کہ میرے سو لڑکیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے سب کا نکاح عثمان سے کرتا۔"

تاریخ ابن خلدون۔ جلد اوّل ص۶۵۴

وہ قیمت ادا کر کے میٹھا پانی پی لیتے تھے اور جو اس کی ہمت نہ رکھتے انہیں کھارا پانی پینا پڑتا۔ ایک روز نبی علیہ السلام نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ صحابہ میں سے کوئی اس کنوئیں کو خرید ے تاکہ سب مسلمان میٹھا پانی پی سکیں۔ حضرت عثمانؓ غنیؓ نے یہ کنواں چوبیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ [1]

مسجدِ نبویؐ کی توسیع

مدینہ میں تشریف لانے کے بعد نبی علیہ السلام نے ایک چھوٹی سی مسجد بنائی جو چند روز کے بعد ہی مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کی وجہ سے ادائے نماز کے لیے ناکافی ہو گئی۔ نبی کریمؐ نے جمعہ کے روز خطبہ فرمایا کہ "جو شخص مسجد سے ملے ہوئے فلاں فلاں مکان خرید کر مسجد میں شامل کر دے گا۔ اللہ اُسے جنت میں مکان عطا فرمائے گا اور اس کے گناہ معاف کر دے گا۔" عثمانِ غنیؓ نے بیس یا پچیس ہزار اشرفیوں میں یہ مکانات خرید کر مسجد نبویؐ میں شامل کر دیئے

غزوۂ تبوک میں رسد کا انتظام

غزوۂ تبوک میں نبی علیہ السلام اور صحابہؓ کو کھانے اور پینے کے سامان کی

---

[1] عثمان بن عفان مؤلفہ عمر ابو النصر۔ مطبوعہ بیروت ص۴۶

اتنی تکلیف ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ عثمانِ غنیؓ کو معلوم ہوا کہ حضورؐ اور تمام اسلامی لشکر دشمنانِ اسلام کے مقابل میدان جنگ میں مصیبت کا شکار ہے۔ کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں۔ آپ نے فوراً غلہ اور دوسری اشیاء خوردنی کے اتنے اونٹ روانہ کیے کہ تمام مجاہدین غزوۂ تبوک کو کافی ہو گئے۔ جب حضورؐ نے دیکھا کہ مجاہدین کے لیے خوراک سے بھرے ہوئے اونٹ چلے آرہے ہیں تو صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ھٰذا قد جاءکم بخیرٍ لو! یہ تمہارے پاس ایک بھلائی آن پہنچی۔ عثمانِ غنیؓ نے تمام سامان حضورؐ کے سامنے لاکر رکھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہؓ نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ حضورؐ اتنے خوش ہوئے کہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّی قَدْ رَضِیتُ عَن عثمان فارض عنہ یعنی "اے اللہ! میں عثمان سے خوش ہو گیا ہوں تو بھی عثمان سے خوش ہو جا"۔ آپؐ نے انتہائی جذبہ اور خوشی کے عالم میں تین مرتبہ یوں ہی فرمایا۔ پھر صحابہؓ سے فرمایا۔ تم لوگ بھی عثمانؓ کے لیے دعا کرو۔ سب لوگوں نے حضور علیہ السلام کے سامنے عثمانِ غنیؓ کے لیے دعا کی۔

غزوۂ تبوک کے وقت عرب خشک سالی کی لپیٹ میں تھا۔ قحط اور افلاس کے سائے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ انہی حالات میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ تمام صحابہؓ نے اپنی اپنی حیثیت اور گنجائش کے مطابق جنگی اخراجات کے

لیے روپیہ پیسہ دیا۔ لیکن عثمانِ غنیؓ کی دولت اور اولوالعزمی نے اس موقعہ پر لشکرِ اسلام کو بہت بڑا سہارا دیا، آپ نے ایک تہائی فوج کے اخراجات اپنے ذمہ لیے۔ اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ، ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد بطور رسد پیش کیا۔ عثمانِ غنیؓ کی اس خدمت اور ایثار کا حضور علیہ السلام پر اتنا اثر ہوا کہ آپ اُن کی دی ہوئی اشرفیوں کو اچھالتے تھے اور فرماتے تھے۔ "آج کے بعد عثمانؓ کو اُن کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائیگا۔"[1]

مسجدِ نبویؐ کی مرمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے لے کر فاروق اعظمؓ کے زمانۂ خلافت تک مسجدِ نبویؐ کی چھت لکڑیوں اور کھجور کے پتوں کی تھی، صحن کچا تھا، جب بارش ہوتی تو چھت ٹپکنے لگتی اور صحن میں پانی بھر جاتا۔ بارش بند ہو جانے کے بعد بھی کئی کئی روز پانی ٹپکتا رہتا جس سے صحابہؓ کو سخت تکلیف ہوتی، فاروقی عہد میں بھی مسجدِ نبویؐ کی چھت پختہ کرنے کی تحریک ہو چکی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے جواب دیا تھا کہ بیت المال سے پہلے مجاہدین اور غازیانِ اسلام کے اخراجات پورے ہوں گے اور ایسے

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد اوّل، تاریخ اسلام۔ شاہ معین الدین ندوی، جلد اوّل، عثمان بن عفان از عمر ابو النصر۔

کاموں کو اوّلیت دی جائے گی جن سے مسلمانوں کا اور مسلمانوں کے ملک کا تحفظ ہو سکے۔ عمر فاروقؓ نے مسجدِ نبویؐ کو اسی حالت میں رکھا جس حالت میں رسولِ اکرمؐ اور ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں تھی، جب عثمانِ غنیؓ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے بیت المال سے نہیں بلکہ اپنے ذاتی روپیہ سے مسجدِ نبویؐ کی چھت، صحن اور دیواروں کو پختہ کرایا۔

مذہبی خدمات

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں آپ کا سب سے اہم کارنامہ مسلمانوں کو قرآن حکیم کی ایک قراءۃ اور ایک مصحف پر متحد کرنا ہے، کتاب اللہ کی تدوین کتابی صورت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں ہو چکی تھی لیکن اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی، کلام اللہ کے بعض الفاظ کا تلفظ کئی طرح ہو سکتا ہے چنانچہ صحابہ اِملا اور تلفظ مختلف طریقوں سے کرتے تھے، قرأت کے اس اختلاف سے معنیٰ پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا اس لیے صحابہؓ میں اس معمولی اختلاف کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ لیکن نومسلم عجمیوں میں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی، اس کی بڑی اہمیت ہو گئی۔ ہر علاقے کے لوگ اپنی قرأت اور تلفظ کو ٹھیک اور دوسروں کی قرأت کو غلط سمجھنے لگے، حضرت حذیفہ بن الیمان نے غیر عرب علاقوں سے واپس آکر عثمانِ غنیؓ کو اس صورتِ حال سے آگاہ

کیا اور کہا:

"امیر المومنین! اگر اس کا فوری طور پر تدارک نہ کیا گیا تو مسلمان بھی عیسائیوں اور رومیوں کی طرح اللہ کی کتاب میں اختلاف کرنے لگیں گے۔" تب حضرت عثمانؓ نے عہدِ صدیقی کا مدون کیا ہوا قرآن حکیم کا نسخہ جو ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا، منگایا اور اس کی نقلیں کرا کے تمام اسلامی علاقوں میں بھجوائیں۔ اس طرح ساری دنیا کے مسلمانوں کا قرآن حکیم کی ایک ہی قرأت اور ایک ہی تلفظ پر اتفاق ہو گیا۔

مؤذنوں کی تنخواہیں

حضرت عثمانؓ نے مساجد میں تنخواہ دار مؤذن مقرر کیے۔

اہلِ بیت کے ساتھ حُسنِ سلوک

عثمانِ غنیؓ نے جہاں ہر مرحلہ پر اپنی جان و مال سے اسلام اور مسلمانوں کی پوری پوری مدد کی وہاں خاص طور پر اہل بیت کی خدمت سے بھی کبھی غافل نہیں رہے، آپ ہمیشہ اہل بیت کی ضرورتوں کا خیال رکھتے اور جب بھی آپ کو ان کی کسی ضرورت کی خبر ہو جاتی تو اس کو پورا کرنے کی حدِ امکان کوشش کرتے۔ ایک بار چار دن تک اہلِ بیتِ رسول اللہ کو کھانا میسر نہ

آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا۔ تم کو کچھ کھانے کو ملا؟ عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ۔ کہاں سے ملتا۔ ہم کو جو کچھ اللہ مرحمت فرماتا ہے۔
آپ ہی کے ہاتھوں مرحمت فرماتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُن کر خاموش ہو گئے۔ وضو کیا اور مسجد میں نفل پڑھنے لگے۔ آپؐ تھوڑی تھوڑی دیر بعد نماز میں جگہ تبدیل فرماتے تھے۔ اتنے میں عثمان غنیؓ آگئے اور اجازت طلب کی، عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے تو میرا خیال ہوا کہ عثمانؓ کو آنے کی اجازت نہ دوں پھر فوراً یہ خیال آتے ہی میں نے اجازت دے دی کہ یہ صحابہؓ میں روپیہ پیسے والے ہیں، ممکن ہے ان کے ذریعہ اللہ نے ہم تک نیکی پہنچانے کا ارادہ کیا ہو۔ عثمانؓ نے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا۔ میں نے جواب دیا۔ اے ابنِ عم! چار دن سے اہل بیتِ رسالت نے کچھ نہیں کھایا۔ یہ سُن کر عثمان بن عفان رونے لگے اور کہا۔ تف ہے دنیا پر۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر کہا اے ام المؤمنین! آپ کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ آپ پر ایسے حادثے اور مصیبتیں گزریں اور آپ نہ مجھ سے ذکر کریں اور نہ عبدالرحمٰن بن عوف اور ثابت بن قیس جیسے مال داروں سے، عثمان غنیؓ یہ کہہ کر واپس چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد کئی اونٹ آٹے، گیہوں اور کھجوروں سے بھرے ہوئے، ایک بکرا اور سو درہم لے کر آئے، پھر بولے۔ اس کے

پکانے میں دیر لگے گی۔ میں پکا ہوا کھانا لاتا ہوں۔ فوراً آپ روٹیاں اور پکا ہوا گوشت لائے اور کہا خود بھی کھاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی رکھ دو۔ عائشہ صدیقہؓ کو قسم دی کہ آئندہ جب بھی کبھی کوئی ضرورت پیش آئے تو مجھے فوراً خبر کرنا۔ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "عثمانؓ کے چلے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ دریافت فرمایا۔ اے عائشہ۔ میرے بعد تم کو کچھ ملا؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ اللہ سے دعا کرنے گئے تھے اور آپ جانتے ہیں کہ اللہ کبھی آپ کی دعا رد نہیں کرتا۔ رسول اللہ نے پوچھا کہو۔ کیا ملا! میں نے عرض کیا۔ اتنا آٹا، اتنا گیہوں، اتنی کھجوریں، کئی اونٹوں پر لدی ہوئیں۔ اس کے علاوہ تین سو درہم، پکی ہوئی روٹی اور بھنا ہوا گوشت، آپؐ نے فرمایا، یہ سب کچھ کس نے دیا؟ میں نے کہا۔ عثمانؓ بن عفان نے، وہ مجھے قسم دلا گئے ہیں کہ آئندہ جب کبھی ایسا وقت آئے مجھے ضرور خبر کرا دینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بیٹھے نہیں مسجد میں واپس چلے گئے اور ہاتھ اٹھا کر فرمایا: اللّٰھُمَّ اِنِّیْ رَضِیْتُ عَنْ عثمان فارض عنہ: اے اللہ میں عثمانؓ سے راضی ہو گیا تو بھی عثمانؓ سے راضی ہو جا! آپؐ نے دو تین مرتبہ ایسے ہی فرمایا۔"[1]

---

[1] ابن خلدون اوّل

رسولِ اکرم اکثر عثمانِ غنیؓ کے حق میں دعا فرمایا کرتے۔

ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ

"ایک مرتبہ نبی کریم علیہ السلام اوّل شب سے طلوعِ فجر تک عثمانؓ بن عفان کے لیے دعا فرماتے رہے کہ اے اللہ! میں عثمانؓ سے راضی ہو گیا۔ تو بھی عثمانؓ سے راضی ہو جا۔"

جابر بن عطیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ یَا عُثْمَانُ مَا قَدّ	اے عثمانؓ۔ اللہ نے تیرے گناہ بخش
مت وَمَا اَخرت وَمَا اسررت	دیئے جو تو نے پہلے کیے اور جو تو بعد میں
وَمَا اَعلَنتُ وَمَا اَخفیت	کرے گا، جو تو نے پوشیدہ طور پر کیے اور
وَمَا ابدیت وَمَا ھُوَ	جو ظاہری طور پر کیے، جو تو نے چھپایا
کائن الیٰ یوم القیامۃِ	اور جو تو نے ظاہر کیا۔ اور جو گناہ قیامت
	تک ہونے والا ہے [1]

سخاوت

اسلام کے ساتھ، مسلمانوں کے ساتھ اور اہلِ بیتِ رسولؐ کے ساتھ آپ کی

---

[1] ابن خلدون

فیاضیاں اور سیر چشمیاں تو بجائے خود تھیں۔ عام لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک
ور صلہ رحمی میں آپ کو وہ مرتبہ حاصل تھا جو بہت کم کسی کو نصیب ہوتا ہے۔
سلام لانے کے بعد سے ہمیشہ آپ کی یہ عادت رہی کہ ہر جمعہ کو ایک غلام
آزاد کرتے تھے۔ اگر اتفاق سے کسی جمعہ کو غلام آزاد کرنے کی نوبت نہ آتی تو
دوسرے جمعہ کو دو غلام آزاد کرتے تھے۔ آپؓ خود فرماتے ہیں:

"جب سے میں مسلمان ہوا کوئی ایسا جمعہ نہیں آیا جس میں، میں
نے ایک غلام آزاد نہ کیا ہو، اور اگر اس جمعہ میں آزاد کرنے کا اتفاق
نہ ہوتا تو میں دوسرے جمعہ کو آزاد کرتا تھا۔"

فضائل

ایک مدت تک کتابتِ وحی کی خدمت آپ کے سپرد رہی، یہ وہ خدمت
تھی جس کے انجام دینے والوں کی تعریف قرآنِ حکیم میں آئی ہے۔ کتابتِ
وحی کے علاوہ نبی کریم علیہ السلام اپنے نجی خطوط اور فرامین لکھوانے کا کام
بھی عثمان غنیؓ سے لیتے تھے۔

ایک بار ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں قحط پڑا، لوگ بہت پریشان
تھے، ایک روز حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں سے کہا کہ آج شام تک اللہ تعالیٰ
تمہاری پریشانی اور تکلیف دور کر دے گا۔ چنانچہ اسی روز حضرت عثمانؓ نے غلہ

اور بنتِ رسولؐ کی دیکھ بھال میں مصروف رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو اصحابِ بدر میں شمار فرمایا اور بدر کے مالِ غنیمت میں سے حصہ بھی دیا۔

حدیبیہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی طرف سے منصب سفارت سونپ کر مکہ بھیجا۔ کفارِ مکہ نے ان کو قید کر لیا مگر رسولِ خدا کو یہ خبر پہنچی کہ عثمان غنیؓ شہید کر دیئے گئے۔ آپؐ کو بے حد صدمہ ہوا اور آپؐ نے انتقام کے لیے صحابہؓ سے موت کی بیعت لی۔ اثنائے بیعت میں یہ خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ زندہ ہیں۔ مگر قیدی ہیں، یہ خبر سن کر آپؐ نے اپنے ایک ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا اور دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یہ بیعت حضرت عثمانؓ کی طرف سے ہے۔" اسی بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے، اللہ نے قرآنِ حکیم میں اس بیعت کے کرنے والوں کے متعلق فرمایا ہے کہ "ہم ان سے راضی ہو گئے۔" حضرت عثمانؓ کا حصہ اس بیعت میں تمام صحابہؓ سے زیادہ رہا کیوں کہ انھوں نے رسولؐ کے ہاتھ سے رسولؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے متعلق فرمایا۔ میں اس شخص سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ (مسلم شریف)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا، ہر نبیؑ کے کچھ ساتھی ہوتے ہیں اور جنت میں میرے ساتھی عثمانؓ ہیں (ترمذی)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے۔ آپؐ کے ساتھ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا تو آپؐ نے اپنے پاؤں سے اشارہ کیا اور فرمایا۔ اے احد ٹھہر جا، تیرے اوپر ایک نبیؐ ہے، ایک صدیق اور دو شہید (بخاری)

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج رات مجھے ایک نیک شخص خواب میں دکھایا گیا کہ گویا ابوبکرؓ رسولؐ اللہ کے دامن سے لٹکائے گئے۔ عمرؓ ابوبکرؓ کے دامن سے اور عثمانؓ عمرؓ کے دامن سے، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو آپس میں کہنے لگے۔ وہ نیک شخص جو خواب میں دکھایا گیا ہے، رسول ہیں اور ایک کا دوسرے سے لٹکنا اس بات کی علامت ہے کہ یہ لوگ اس دین کے حاکم ہوں گے جس کے ساتھ اللہ نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے۔

ایک صحابی نے اپنا خواب حضورؐ سے بیان کیا کہ ایک ترازو آسمان سے اتری۔ اس میں آپؐ اور ابوبکرؓ تولے گئے تو آپؐ بھاری رہے، پھر ابوبکرؓ و عمرؓ تولے گئے تو ابوبکرؓ بھاری رہے، پھر عمرؓ اور عثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ

کا وزن زیادہ رہا۔ اس کے بعد یہ ترازو اُٹھالی گئی ۔ یہ خواب سُن کر حضور علیہ السلام رنجیدہ ہوئے اور فرمایا۔ یہ خلافتِ نبوت ہے۔ اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا ۔ (ابوداؤد)

ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ میں پہنچا اور آپؐ کے پاس بیٹھ گیا۔ پھر ابوبکرؓ آئے۔ انہوں نے سلام کیا اور بیٹھ گئے، پھر عمرؓ آئے اس کے بعد عثمانؓ آئے۔ آپؐ کے آگے کچھ کنکریاں پڑی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے انھیں ہاتھ میں اٹھالیا، وہ تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے ان کی گنگناہٹ سنی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز، پھر آپؐ نے ان کنکریوں کو ابوبکرؓ کی ہتھیلی پر رکھ دیا وہ پھر تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے آواز سُنی، آپؐ نے ابوبکرؓ کے ہاتھ میں سے لے کر انہیں زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر عمرؓ کے ہاتھ پر رکھا تو جب بھی وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ اس کے بعد عثمانؓ کے ہاتھ پر رکھا تو بھی تسبیح پڑھنے لگیں۔ عثمانؓ کے ہاتھ سے لے کر جب حضورؐ نے اُن کنکریوں کو دوسرے صحابہؓ کے ہاتھوں پر رکھا تو پھر انہوں نے تسبیح نہ پڑھی۔

خلافت

فاروق اعظمؓ جب اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو لوگوں نے مطالبہ کیا کہ اپنا جانشین مقرر کر دیجیے۔ بعض نے رائے دی کہ اپنے فرزندِ رشید حضرت عبداللہ کو خلیفہ بنا دیجیے۔ عبداللہؓ کی آپ نے مخالفت کی اور فرمایا: "میں اپنے بیٹے کو خلیفہ مقرر نہیں کرتا۔" بلکہ آپ نے اس درجہ احتیاط سے کام لیا کہ خلافت کے لیے جو انتخابی کمیٹی بنائی اس میں بھی حضرت عبداللہ کا نام شامل نہیں کیا، آپ نے فرمایا۔ "چھ شخص ہیں۔ عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سعدؓ بن ابی وقاص ان میں سے جسے چاہو اپنا امیر اور خلیفہ منتخب کر لینا مگر تین دن سے زیادہ تاخیر نہ کرنا۔" چنانچہ فاروقِ اعظمؓ کے وصال کے بعد یہ چھ حضرات جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا کہ چھ میں سے تین آدمی اپنی مرضی سے دست بردار ہو جائیں اور تین آدمیوں میں انتخاب باقی رہ جائے۔ حضرت زبیرؓ نے اپنا حق حضرت علیؓ کو دے دیا، حضرت طلحہؓ، حضرت عثمانؓ کے حق میں دست بردار ہو گئے اور سعدؓ بن ابی وقاص نے اپنا اختیار ابن عوف کے حوالے کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ عثمانؓ اور علیؓ میں

سے جو اپنی خلافت نہ چاہتا ہو۔ انتخاب کا کلی اختیار اس کو دے دیا جائے۔ یہ سن کر دونوں خاموش ہو گئے تب حضرت عبدالرحمٰن نے کہا۔ میں اپنے لیے خلافت نہیں چاہتا لہٰذا انتخاب کا اختیار میرے سپرد کر دیجیے، آپ دونوں میں سے جو افضل ہوگا میں اُسے منتخب کروں گا۔ عبدالرحمٰن بن عوف کو یہ اختیار دے دیا گیا اور تین دن کی مہلت دی گئی۔ ذی الحجہ کا آخر تھا۔ لوگ حج سے فارغ ہو کر مدینہ آئے ہوئے تھے۔ مختلف علاقوں سے آئے ہوئے صحابہؓ کا اجتماع تھا۔ عبدالرحمٰن بن عوف تین روز تک گھر گھر گھومے اور ہر عمر اور ہر طبقہ کے مسلمانوں سے رائے لی، ابن عوف کہتے ہیں کہ "مجھے دو شخص بھی ایسے نہ ملے جو حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر ترجیح دیتے ہوں۔"

تمام صحابہؓ کی رائے معلوم کرنے کے بعد ابن عوف نے سب مسلمانوں کو مسجد نبوی میں جمع کر کے ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت لے لی۔ آپ کے بعد حضرت علیؓ نے ہاتھ بڑھایا۔ علیؓ مرتضیٰ کے بعد ساری خلقت بیعت کے لیے ٹوٹ پڑی اور اس طرح یکم محرم ۲۴ ہجری کو آپ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے۔ [1]

---

[1] طبقات ابن سعد، تاریخ اسلام، طبری وغیرہ۔

نظامِ خلافت

خلافت کا نظام حضرت عمرؓ کے دَور میں مکمل ہو چکا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس کو اسی حال پر باقی رکھا۔ البتہ انتظامی ضرورتوں اور حالات کے مطابق اس میں بعض جزوی تبدیلیاں کیں اور جن شعبوں میں مزید ترقی کی گنجائش تھی ان کو ترقی دی۔

صوبوں کی تقسیم قریب قریب وہی رہی جو عہدِ فاروقی میں تھی البتہ شام جو کئی صوبوں میں تقسیم تھا، اُسے ایک صوبہ بنا دیا گیا اور امیر معاویہؓ پورے صوبہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ عثمانی دَور میں جو نئے علاقے فتح ہوئے ان کے نئے صوبے بنائے گئے اور وہاں نئے گورنر مقرر ہوئے۔

فوج میں اصلاحات

مسلح افواج میں حضرت عثمانؓ نے تبدیلیاں بھی کیں اور کچھ ترقیاں بھی ہوئیں۔ بعض صوبوں میں فوجی اور انتظامی شعبے ایک جگہ چلے آتے تھے، انہیں انتظامی سہولت کی خاطر الگ الگ کیا۔ سپاہیوں کی تنخواہ میں سَو سَو درہم سالانہ کا اضافہ کیا [1]

---

[1] طبری

نئے مفتوحہ علاقوں میں فوجی چھاؤنیاں بنائیں۔ امیر معاویہؓ نے شام میں بحرِ روم کے ساحل پر۔ انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نو آبادیاں قائم کیں۔

فوج کے شعبہ میں سب سے نمایاں اور اہم کام بحری فوج کا قیام ہے۔ فاروقی عہد میں فارس کی بحری جنگ میں مسلمانوں کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچا تھا۔ اس لیے حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف ہو گئے تھے امیر معاویہؓ نے کئی بار حضرت عمرؓ سے بحرِ روم میں فوجیں اتارنے کی اجازت مانگی مگر انہوں نے فارس کے تلخ تجربہ کے بعد اجازت نہ دی، حضرت عمرؓ کے بعد امیر معاویہؓ نے عثمانِ غنیؓ سے اجازت مانگی۔ ابتدا میں آپ نے بھی انکار کیا۔ بعد میں اس شرط کے ساتھ اجازت دی کہ بحری جنگ میں شرکت کے لیے کسی کو مجبور نہ کیا جائے۔ جو اپنی خوشی سے جانا چاہے وہ جا سکتا ہے چنانچہ اجازت ملنے کے بعد امیر معاویہؓ نے بحری بیڑے کی مدد سے بحرِ روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ کر لیا۔ قبرص کی فتح سے امیر معاویہؓ اور مسلمانوں کی بحری فوج کے حوصلے انتہائی بلند ہو گئے اور انہوں نے چند سال کے اندر اسلامی بیڑے کو اتنی ترقی دی کہ اس عہد کے سب سے طاقتور رومی بیڑے سے بھی بڑھ گیا۔ چنانچہ ۳۱ ہجری میں جب قیصرِ روم نے چھ سو جہازوں کی مدد سے شام پر حملہ کیا تو امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح نے اسے شکست فاش

دی، بحری بیڑے کے قیام سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ خشکی سے نکل کر سمندر کی وسعتوں پر بھی مسلمانوں کی نگرانی اور برتری قائم ہو گئی اور بحرِ روم مسلمانوں کی عظیم آماجگاہ اور بحری اڈہ بن گیا۔

مجلسِ شوریٰ

آپؓ کے دور میں عہدِ فاروقی کی طرح اگرچہ باضابطہ مجلس شوریٰ نہیں تھی، مگر آپ تمام اہم کاموں میں صوبائی گورنروں اور بزرگ صحابہؓ سے مشورے فرماتے تھے۔ انقلاب اور سازش کے دور میں بھی آپ نے ہمیشہ حکام اور اکابر صحابہ کو صورتِ حال سے باخبر رکھا اور ہر مرحلہ پر ان سے مشورے کئے۔

حکام کی نگرانی اور باز پرس

عثمانی حکام کے تساہل اور بے عنوانیوں اور اُن سے داروگیر کے سلسلہ میں ایک بات خاص طور سے پیشِ نظر رکھنی چاہیئے جسے نظر انداز کر دینے سے حضرت عثمانؓ کے طرزِ حکومت کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں، اگر اسے ملحوظ رکھا جائے تو بہت سے شکوک و شبہات خود بخود دُور ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ کہ حضرت عثمان فطری طور پر نہایت حلیم الطبع، نرم خو اور خطاپوش تھے، آپ میں عفو و درگزر کا پہلو غالب تھا، مواخذہ

اور احتساب کی وہ سختی نہ تھی جو فاروقِ اعظمؓ کا نشانِ امتیاز تھی، آپ بعض ایسے امور سے چشم پوشی فرما جاتے تھے جن پر حضرت عمرؓ بڑے سے بڑے حاکم کو برسرِ مجلس ڈانٹ دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ حکام کی شان و شوکت کو سخت ناپسند کرتے تھے لیکن عثمان غنیؓ ان باتوں سے تعرض نہیں کرتے تھے، اس طرح کے معاملات میں دونوں کے طرزِ عمل میں فرق، دونوں کی افتادِ طبع کا نتیجہ تھا۔

اس طبعی فرق کی وجہ سے گو عثمانی عہد میں فاروقی دور جیسا سخت احتساب نہ تھا مگر پھر بھی آپ کسی ایسی بدعنوانی کو نظر انداز نہیں کرتے تھے جس سے اصولِ اسلام، اخلاق عامہ یا حکومت کے نظام پر کوئی اثر پڑتا ہو، جب کبھی کسی حاکم یا گورنر کے خلاف کوئی عوامی شکایت ہوتی تھی آپ اسے فوراً معزول کر دیتے تھے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص کو بیت المال کا قرض بر وقت ادا نہ کرنے کی بنا پر گورنری سے معزول کر دیا۔ ولید کو شراب نوشی کے جرم میں سزا دی اور عہدہ سے برطرف کیا۔ سعید بن العاص اور ابو موسیٰ اشعری کو عوامی شکایت کی بنا پر علیحدہ کیا گیا۔

جنگیں اور فتوحات

آپؓ کے دورِ خلافت میں جو فتوحات ہوئیں، انہیں ہم دو قسموں

میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

اوّل : بعض ایسے ممالک جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں فتح ہوئے تھے مگر ان کے بعد باغی ہو گئے، آپ کے زمانے میں اس بغاوت کو پورے طور پر فرو کیا گیا اور کلی طور پر وہ ممالک اسلامی مقبوضات میں شامل ہوئے۔

دوسرے : کچھ ایسے علاقے جو اب تک مسلمان فتح نہ کر سکے تھے۔ آپ نے اپنے عہدِ خلافت میں وہاں فوجی کارروائیاں کیں اور ان علاقوں کو اسلامی حکومت میں شامل کیا۔ ان دونوں قسموں کی فتوحات کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ موقعہ تفصیلات کا متحمل نہیں۔

پہلی قسم

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ہمدان کے لوگوں نے بغاوت کی، مغیرۃ بن شعبہ کی سرکردگی میں بغاوت کو کچلا گیا اور علاقہ میں مکمل امن و امان ہوا۔

رَے کے لوگوں نے بھی شورش برپا کی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت براء بن عازب کے ذریعہ از سرِ نو رے کو اسلام کی عملداری میں شامل کیا گیا۔

اسکندریہ میں بغاوت کی آگ بھڑکی۔ عمرو بن العاصؓ کی کوشش سے دوبارہ مسلمانوں کی برتری قائم ہوئی۔

آذر بائیجان کے لوگوں نے غداری کی، وہاں ولید بن عقبہؓ کی کوششوں سے پھر مسلمانوں کا تسلّط ہوا۔ بلکہ غداروں اور شرپسندوں کو کچلنے کے بعد آرمینیہ اور آذر بائیجان کے قرب و جوار کے اور بہت سے علاقے فتح ہوئے۔

ان بغاوتوں کی سرکوبی اور ان کے نتیجے میں حاصل ہونے والی فتوحات کو ہم بجا طور پر خلیفۂ رسول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس عظیم خدمت کے مثل قرار دے سکتے ہیں جو انہوں نے مرتدین اور مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف قتال کی صورت میں سرانجام دی تھی۔ اگر حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد آپؓ باغیوں اور غداروں کے خلاف بھرپور فوجی کارروائیاں نہ کرتے تو نہ جانے مستقبل میں اسلامی مملکت کا نقشہ کیسا ہوتا۔ اور کچھ بعید نہ تھا کہ کفر کی طاقتیں جنہیں اسلام نے نڈھال کر دیا تھا، پھر سے اُبھرتیں اور اس نئے عالم گیر مذہب کو جزیرۃ العرب میں دھکیل دیتیں اور آج مشرق و مغرب اور اقصائے عالم میں اسلام کا کوئی نام لینے والا نہ ہوتا۔

دوسری قسم

افریقہ کی جنگِ عظیم، جو تاریخ میں حَربِ عَبَادِلَہ کے نام سے مشہور ہے، اس زمانہ میں افریقہ کا حاکم قیصر روم کی طرف سے جرجیر نامی ایک شخص تھا۔ طرابلس سے لے کر طنجہ تک اس کی حکومت تھی اس نے مسلمانوں سے مقابلہ

کے لیے ایک لاکھ بیس ہزار سوار فوج تیار کی، ادھر حضرت عثمانؓ نے بھی مضبوط فوج ترتیب دی، جنگ یرموک اور جنگ قادسیہ کے بعد اس لڑائی کا نمبر ہے۔ یہ چالیس دن تک جاری رہی، روزانہ صبح سے دن ڈھلے تک لڑائی رہتی اس کے بعد فریقین کی فوجیں آرام کرنے کے لیے اپنے اپنے خیموں میں چلی جاتیں۔ جب لڑائی نے طول پکڑا اور اسلامی فوجیں کوئی واضح نتیجہ حاصل نہ کر سکیں تو حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن زبیرؓ کو تازہ دم فوج دے کر روانہ کیا۔ جس وقت ابن زبیر تازہ دم فوج لے کر پہنچے تو مسلمان بے حد خوش ہوئے اور سب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے دیکھا کہ عبداللہ بن سعد جو فوج کے سپہ سالارِ اعلیٰ ہیں، دشمنوں کی طاقت اور کثرت سے کچھ خائف ہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ جرجیر نے اپنی فوج میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص عبداللہ بن سعد کا سر لائے گا اس کو ایک لاکھ اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی اور میں اس سے اپنی لڑکی کی شادی کر دوں گا۔

عبداللہ بن زبیرؓ نے تازہ دم فوج کی مدد سے حملہ کیا انتہائی خوں ریز معرکہ ہوا اور بالآخر دشمنانِ اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے۔ جرجیر ابن زبیرؓ کے ہاتھوں قتل ہوا اور اتنا مالِ غنیمت ہاتھ آیا کہ خمس نکالنے کے بعد فی سوار تین ہزار اشرفیاں اور فی پیادہ ایک ہزار اشرفیاں حصہ میں آئیں۔

اس جنگ کو "حربِ عبادلہ" اس لیے کہا گیا کہ اس کے سپہ سالارِ اعلیٰ عبداللہ بن سعد تھے، دائیں بازو کے دستے عبداللہ بن عمر کے زیرِ کمان تھے، بائیں جانب کے دستوں کی کمان عبداللہ بن زبیرؓ کر رہے تھے اور مقدمۃ الجیش پر عبداللہ بن عباس مامور تھے۔ گویا چار عبداللہ اس فوج کی کمان کر رہے تھے۔

مشرقی اور شمالی افریقہ پر اسلامی پرچم لہرانے کے بعد اسلامی فوجیں مغرب کی طرف بڑھیں، کئی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں۔ بالآخر طرابلس اندلس اور مغرب کے بہت سے اہم اور مشہور شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔

مسلمان، اب تک بحری جنگ سے ناواقف تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق کے دورِ خلافت میں کوئی بحری جنگ نہیں لڑی گئی تھی۔ سب سے پہلے بحری جنگ کا خیال امیر معاویہؓ کے دل میں پیدا ہوا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے اجازت چاہی۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو اجازت دی، انہوں نے بحری بیڑہ تیار کیا اور اپنی کمان میں جزیرہ قبرص پر بحری فوج کی مدد سے حملہ کیا اور فاتح بن کر واپس لوٹے۔

قیصرِ روم کی عظمت و شوکت کو تو حضرت عمر فاروقؓ نے پامال کر دیا تھا مگر بحرِ روم کے ساحل علاقوں میں کہیں کہیں اس کے مقبوضات باقی تھے۔ جب امیر معاویہؓ نے عثمانِ غنیؓ کے دورِ خلافت میں مضبوط بحری فوج ترتیب دے لی تو بحری جنگوں کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں نے رومیوں سے کم و بیش پچاس

بحری جنگیں لڑیں اور بحرِ روم کی وسعتوں سے بھی قیصرِ روم کا نام ونشان مٹادیا۔
ایران کے بہت سے حصے فاروقِ اعظمؓ کے دور میں فتح ہو چکے تھے۔ بعض علاقے باقی تھے مثلاً ہرات، خراسان، بیہق، شیراز، طوس، نیشاپور اور بلخ وغیرہ۔ یہ تمام مقامات عثمانِ غنیؓ کے عہدِ حکومت میں فتح ہوئے۔

سازش، انقلاب اور شہادت

دورِ عثمانی کے ابتدائی چھ سال نہایت امن وسکون سے گزرے۔ فتوحات کی وسعت، مالِ غنیمت کی فراوانی، محاصل کی زیادتی اور زراعت وتجارت کی ترقی نے ملک اور قوم کو عیش وراحت اور فارغ البالی کے سامانوں سے معمور کردیا۔ دولت اور سامانِ عیش وراحت کے ساتھ ساتھ اس کے لوازم اور نتائج۔ بغض وحسد اور رشک ورقابت کے قدم بھی آئے، ان اندرونی تغیرات اور بعض خارجی اسباب نے مل کر امیرالمؤمنین حضرت عثمانِ غنیؓ کے خلاف ایسا انقلاب بپا کیا جس نے پورے نظامِ خلافت وامارت کو درہم برہم کرکے رکھ دیا۔

خارجی اسباب میں اہم اور بنیادی سبب یہ تھا کہ اسلام نے جن اقوام ومذاہب کو مغلوب کیا تھا، ان میں مخفی۔ مگر انتہائی شدید انتقامی جذبات موجود

تھے۔ انہوں نے خلافتِ اسلامیہ کو درہم برہم کرنے کے لیے سازشوں کا ایک وسیع جال بچھا دیا۔

ان مخالفین میں سب سے بڑا فتنہ انگیز اور دشمنِ اسلام ایک بظاہر مسلمان لیکن منافق یہودی عبداللہ بن سبا تھا، اسلام اور مسلمانوں کے ہاتھوں سب سے زیادہ صدمہ یہودیوں کے مذہبی وقار کو پہنچا تھا۔ اس لیے وہ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے اور عہدِ نبوت ہی سے اس کی بیخ کنی کے درپے تھے، عہدِ فاروقی تک اس کو اور اس جیسے دوسرے شرپسند عناصر کو کامیابی کی کوئی راہ نہ ملی، حضرت عثمانِ غنیؓ کے آخری دورِ خلافت میں جب وہ پائداری اور اسلامی اتحاد باقی نہ رہا تو بعض اُموی حکام کی بدعنوانیوں کو بہانہ بنا کر حضرت عثمانِ غنیؓ پر ان لوگوں نے نکتہ چینی کا آغاز کر دیا۔ اس وقت عبداللہ بن سبا کو یہودیوں کی پرانی دشمنی نکالنے کا موقعہ ہاتھ آ گیا، یہ بڑا ذہین، نکتہ رس اور سازشی تھا اس لیے اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر عثمانِ غنیؓ بلکہ درحقیقت اسلام کے خلاف ایک وسیع سازش کا جال پھیلایا۔

بنی امیہ اور بنی ہاشم میں پرانی چشمک چلی آ رہی تھی۔ گو اسلام نے اس کو دبا دیا تھا مگر دلوں میں اس کے ہلکے سے اثرات باقی تھے۔ ابنِ سبا نے سب سے پہلے انہیں اُبھارا اور محبتِ اہل بیت کے لباس میں ان کی حمایت

کے ساتھ ساتھ خلفاءِ ثلاثہ، بخصوصاً حضرت عثمانِ غنیؓ اور بنی اُمیّہ کے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیا اور سادہ لوح مسلمانوں میں تفریق ڈالنے اور گمراہ کرنے کی خاطر ان کے سیدھے سادے عقائد میں خرافات شامل کر دیئے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح کی طرح اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے اور ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے، رسول اللہ کے وصی علی کرم اللہ وجہہٗ ہیں، رسول اللہ کی وصیت کو پورا نہ کرنے والے ظالم ہیں، حضرت عثمانؓ نے ظلم اور زور سے خلافت حاصل کی ہے اور اسی قسم کی بہت سی بے سر پا باتیں۔

مسلمانوں میں تفریق کا بیج بونے اور خلافتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر کرنے کے لیے ابنِ سبا نے حسبِ ذیل طریقے اختیار کیے:

۱۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پرفریب لباس میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا۔

۲۔ عثمانی حکام کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنا۔

۳۔ حضرت عثمانِ غنیؓ کی کنبہ پروری کی فرضی داستانیں لوگوں میں مشہور کرنا۔

اس سازش کا جال اس نے تمام اسلامی مرکزوں میں بچھا دیا اور ہر جگہ اپنے نمائندوں اور خفیہ خط و کتابت کے ذریعے ایسا وسیع اور منظم پراپیگنڈہ کیا کہ چند ہی روز میں سارے ملک کی فضا خراب ہو گئی۔[۱]

۱۔ تاریخ طبری جلد ۔

ابنِ سبا نے نمائندوں اور تحریری پراپیگنڈہ کے علاوہ خود مختلف علاقوں کے دورے کیے۔ عراق اور مصر میں جاکر خفیہ تنظیمیں قائم کیں،

سب سے پہلے ۳۳ ہجری میں عبداللہ بن عامر والیٔ بصرہ کو اس کی سازش کا علم ہوا، اُنہوں نے اس کو بصرہ سے نکالا، یہاں سے نکل کر کوفہ پہنچا، وہاں سے بھی نکالا گیا۔ آخر میں مصر کو اپنا مرکز بنایا۔

بہر حال ہر جگہ کچھ نہ کچھ ابن سبا کے پراپیگنڈا کا اثر ہوا خصوصًا عراق میں، جہاں مختلف قوموں کی مخلوط آبادی کی وجہ سے سازش اور فتنہ وفساد کی زیادہ گنجائش تھی۔ چنانچہ عراق اس فتنہ کا مرکز بن گیا اور کھلّم کھلّا کوفہ اور بصرہ میں حضرت عثمان غنیؓ کی مخالفت کی جانے لگی۔

صوبائی گورنروں سے مشورہ

جب ملک کے مختلف حصوں سے اس قسم کی سازشوں اور فتنہ پردازیوں کی خبریں آنے لگیں تو حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ عبداللہ بن سعد، سعید بن العاص، عبداللہ بن عامر اور عمرو بن العاص جیسے ذمہ دار لوگوں کو بلاکر جو مختلف صوبوں کے گورنر اور حاکم تھے مشورہ کیا۔

عبداللہ بن عامر نے کہا۔ لوگوں کو جہاد میں لگا دیجئے۔ ہر شخص کی توجہ اسی طرف ہو جائے گی اور لوگ سازشوں میں حصہ لینے سے باز آجائیں گے۔

سعید بن العاص بولے۔ کہ ہنگامہ اور سازش چند شر پسندوں کی وجہ سے ہے، اگر ان کے سرغنہ لیڈروں کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے تو فتنہ پردازوں کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی۔

امیر معاویہ نے رائے دی کہ ہر صوبہ کے گورنر کو وہاں کے مکمل امن و امان اور ایسے لوگوں کو حکمتِ عملی سے دبانے کی ذمہ داری سونپی جائے۔

عبداللہ بن سعد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ سب بندۂ زر ہیں، روپیہ پیسہ دے کر ان کا منہ بند کر دیا جائے۔

عمرو بن العاص بولے کہ اس سازش اور فتنہ و فساد کا بنیادی سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے منشا کے خلاف کرتے ہیں، عدل و انصاف سے کام لیجیے یا خلافت سے کنارہ کشی کر لیجیے ورنہ پھر ہمت کر کے جو مناسب سمجھیں کیجیے۔

عثمان غنیؓ نے عمروؓ سے تعجب خیز لہجہ میں پوچھا۔ کیا تمہارا ابھی میرے بارے میں یہ خیال ہے؟ اس وقت عمرو خاموش رہے۔ جب باقی لوگ چلے گئے تب کہا۔ "امیر المؤمنین۔ میں نے جو کچھ کہا وہ ہرگز میری رائے نہیں، آپ کی ذات اس سے برتر ہے، میں نے یہ بات مصلحت کی بنا پر کہی ہے، مخالفین اور فتنہ پرداز در پردہ ہماری گفتگو کے تجسس میں لگے ہوئے ہیں۔ میں نے یہ باتیں اس لیے کہی ہیں تاکہ وہ مجھے اپنا ہم نوا سمجھیں اور میں آپ کو ان کی سازشوں سے آگاہ کرتا رہوں [1]۔

---

[1] طبری جلد ۶

تحقیقاتی کمیشن

اس بات چیت کے بعد حضرت عثمانؓ نے اکابر صحابہ پر مشتمل ایک کمیشن مقرر کیا تاکہ وہ ملک کا دورہ کرے اور موجودہ حالات کی تحقیقات کرکے مکمل رپورٹ پیش کرے، اس کمیشن کے ارکان، عبداللہ بن عمر، اسامۃ بن زید، محمد بن مسلمہ اور عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہم) جیسے جلیل القدر صحابہ تھے۔ انہوں نے ملک کے تمام حصوں میں پھر کر عوام اور خواص سے معلومات حاصل کیں، ہر طبقہ کے لوگوں کی رائے پوچھی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ سب لوگ حضرت عثمان غنیؓ کو امیر المؤمنین اور خلیفہ برحق سمجھتے ہیں۔ عثمان غنیؓ نے اس رپورٹ کو حرف آخر نہ سمجھا بلکہ اپنے مزید اطمینان کی خاطر ملک کے تمام حصوں میں اعلان کرایا کہ

"میں ہر سال حج کے موقعہ پر اپنے حکام کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا، جب سے خلافت کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی اس وقت سے میں برابر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر رہا ہوں، جو معاملات میرے اور میرے حکام کے پاس آئیں گے ان کے حل کی پوری کوشش کروں گا، رعایا کے صرف اس مال میں میرا حق ہے جو اس سے بچ جائے، کسی کے ساتھ کوئی زیادتی یا ناانصافی کوئی

ہو وہ حج کے موقعہ پر بیان کر کے مجھ سے اور میرے حکام سے اپنا حق حاصل کرے۔ یا معاف کر دے کیوں کہ خدا معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

یہ اعلان اتنا مؤثر تھا کہ سب مسلمان اسے پڑھ کر رونے لگے اور حضرت عثمان غنیؓ کے حق میں دعائے خیر کی۔

اِس اعلان کے ساتھ ہی حج کے موقعہ پر آپ نے تمام صوبائی گورنروں کو بلایا۔ حضرت معاویہؓ، عبداللہ بن عامر اور عمرو بن العاص وغیرہ بڑے بڑے عمال و حکام حاضر ہوئے۔ سب کے سامنے صورتِ حال رکھی گئی، تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ اور حضرت عثمانؓ کے اعلانِ عام پر عوامی ردِ عمل سے آگاہ کیا گیا۔ سعید بن العاص نے کہا۔ امیر المؤمنین حالات بالکل ٹھیک ہیں۔ یہ افواہیں خفیہ سازش کا نتیجہ ہیں اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سازش کرنے والوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے، فتنہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ عمرو بن العاصؓ نے یہ رائے ظاہر کی کہ آپ نرمی سے کام لیتے ہیں۔ لوگوں کو ڈھیل نہ دیجئے۔ عمرؓ لوگوں کو ڈھیل نہیں دیتے تھے۔ آپ بھی ابوبکرؓ و عمرؓ کے طریقوں کو اپنایئے۔ سختی کے موقعہ پر سختی سے کام لیجئے اور نرمی کے موقعہ پر نرمی کیجئے۔[1]

---

[1] تاریخ اسلام، از شاہ معین الدین ندوی۔ جلد اوّل

یہ مشورہ سن کر پیکرِ حلم و حیا نے جواب دیا کہ :

"ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے، جس سے وہ آتا ہے، اس اُمت کے لیے جس حادثہ کا خوف ہے وہ آکر رہے گا۔ اس کا دروازہ اگر بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزور کھول دیا جائے گا۔ لیکن میں اس کو نرمی سے بند کروں پھر اگر یہ دروازہ بزور کھولا گیا تو مجھ پر کوئی حجت باقی نہ رہے گی، خدا گواہ ہے کہ میں نے لوگوں کی بھلائی میں کوئی کوتاہی نہیں کی، فتنہ کی چکی چلنے والی ہے، اگر عثمانؓ اس حالت میں مر گیا کہ اس نے اس چکی کو حرکت نہیں دی تو اس کے لیے خوشخبری ہے، تم سب، لوگوں میں اطمینان و سکون پیدا کرو، اُن کے حقوق پورے کرو۔ اور خدا کے حقوق میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرو۔" [۱]

مدینہ پر باغیوں کی یورش

ادھر حضرت عثمانؓ اصلاحِ احوال کی کوششوں میں مصروف تھے، اُدھر کوفہ، بصرہ اور مصر میں سازشی آپس میں خفیہ بات چیت اور خط و کتابت میں لگے ہوئے تھے، چنانچہ ۳۴ ہجری کے آخر میں جب موسم حج کی وجہ سے

---

[۱] طبری۔ ج ۶

مدینہ ذی اثر صحابہ سے خالی تھا، تینوں علاقوں کے باغیوں نے مدینہ کا رُخ کیا، مدینہ سے باہر چند میل کے فاصلہ پر پڑاؤ ڈالا، تینوں مقامات کے فتنہ پرداز عثمان غنیؓ کی معزولی پر تو متفق تھے مگر اختلاف اس بات پر تھا کہ ان کا جانشین کسے مقرر کیا جائے۔ کوفہ کے باغی حضرت زبیرؓ کے حق میں تھے، مصری حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور بصرہ کے شرپسند حضرت طلحہؓ کو۔ چنانچہ تینوں طبقوں کے نمائندوں نے ان حضرات سے مل کر خلافت کر لینے کی درخواست کی۔ مگر ان تینوں بزرگوں نے انہیں دھتکار دیا۔

اسی دوران میں جمعہ کا دن آ گیا۔ امیر المؤمنین عثمان غنیؓ حسب معمول نمازِ جمعہ پڑھانے کے لیے مسجد تشریف لائے۔ نماز کے بعد باغیوں اور فتنہ پردازوں کو تنبیہ و تہدید کی، مگر ان کی سرکشی تنبیہ کی حد سے گزر چکی تھی۔ انہوں نے خلیفہ برحق پر پتھراؤ کیا۔ آپ زخمی ہو کر منبر سے گر پڑے، لوگ اٹھا کر گھر لے آئے، باغیوں کی یہ جرأت اور سرکشی دیکھ کر حضرت سعد بن ابی وقاص، زید بن ثابتؓ ابو ہریرہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہم امیر المؤمنین کی حفاظت کے لیے پہنچے، لیکن آپؓ نے سب کو واپس کر دیا۔

دوسرا حملہ

مدینہ میں ابھی لوگ سکھ کا سانس نہ لینے پائے تھے کہ مصری باغیوں کا گروہ راستہ سے واپس لوٹ آیا، محمد بن مسلمہؓ نے جا کر ان سے واپسی کا سبب پوچھا۔ کہنے لگے ہم کو راستہ میں ایک سرکاری نمائندہ مصر جاتا ہوا ملا، ہم کو شبہ ہوا، ہم نے اس کی تلاشی لی تو اس کے پاس والیِ مصر کے نام حضرت عثمانؓ کا حکم ملا جس میں ہم لوگوں کو قتل کرنے اور مختلف سزائیں دینے کے لیے لکھا تھا۔ حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہؓ کے ساتھ جا کر حضرت عثمانؓ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے بالکل لاعلمی کا اظہار کیا کہ نہ یہ حکم میں نے لکھا ہے۔ نہ لکھوایا ہے نہ مجھے اس کا علم ہے۔ سب نے اس کو تسلیم کیا۔ باغیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ مروان کی سازش ہے۔ مگر ان کے سامنے کوئی اصول اور انصاف کا مسئلہ نہ تھا، وہ تو اپنے تیئں یہ طے کر چکے تھے کہ حضرت عثمانؓ کو خلافت سے معزول کرنا ہے اس لیے اس واقعہ کے بعد انہوں نے یہ بہانہ بنایا کہ جو خلیفہ اتنا بے خبر ہو کہ دوسرے لوگ اس کی طرف سے احکام لکھ کر جاری کر دیں وہ اس قابل نہیں کہ خلیفہ رہے، اب ان فتنہ پردازوں نے یہ مطالبہ کیا کہ آپ یا تو خلافت سے دستبردار ہو جائیں ورنہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے عثمانِ غنیؓ کی خلافت سے دستبردار نہ ہونے کی یہ وجہ ہرگز نہ تھی کہ آ

کو حکومت و امارت عزیز تھی اور عام دنیاوی بادشاہوں کی طرح حکومت سے چمٹا رہنا چاہتے تھے۔ جن لوگوں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ کی خلافت دوسرے دنیاوی بادشاہوں کی طرح نہیں تھی، خلیفہ اور امیر المؤمنین ہوتے ہوئے بھی ان حضرات نے فقیری اور درویشی کی زندگی گزاری۔ اور خاص طور پر دنیاوی نقطۂ منظر سے عثمانِ غنیؓ کے لیے خلافت و امارت کوئی کشش نہیں رکھتی تھی۔ ان کے مال و دولت اور فارغ البالی نے اسلام اور مسلمانوں کو جو فائدے پہنچائے اس سے تاریخ اور تذکروں کی کتابیں بھری پڑی ہیں، خلافت سے علیحدہ نہ ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آنے والے فتنہ اور ابتلا کی خبر دے دی تھی اور فرمایا تھا کہ:

"عثمانؓ۔ اللہ جل شانہٗ تم کو ایک قمیص (خلافت کا) پہنائے گا۔ اگر لوگ چاہیں کہ قمیص اتار کر ان کو دے دو تو ہرگز نہ دینا۔" [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ اور صحابہ کو اس آنے والے فتنہ سے آگاہ کر دیا تھا، اس کے متعلق بہت سی روایتیں آئی ہیں۔ آنحضورؐ نے صراحت کے ساتھ فرمایا تھا کہ "عثمانِ غنی شہید ہوں گے اور ان کی شہادت سے

---

[1] ترمذی شریف

وقت ایک عظیم فتنہ بپا ہو گا۔ اس سے زمانۂ نبوت کی برکتیں پوشیدہ ہو جائیں گی۔" خود حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

"عنقریب مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ قتل ہو جائے گا اور کوئی حملہ کرنے والا ان پر حملہ کرے گا، عثمانِ غنیؓ کہتے ہیں کہ یہ امیر میں ہی ہوں اور عمرؓ اس کا مصداق نہیں۔ انہیں تو ایک شخص نے قتل کیا ہے اور مجھ کو ایک جماعت مل کر (اور سازش کر کے) قتل کرے گی۔"

(مسند احمد بن حنبلؒ)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ عثمانِ غنیؓ کو کامل یقین تھا کہ میں مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے ہاتھوں قتل کیا جاؤں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان بشارتوں اور ہدایتوں کی بنا پر عثمانِ غنیؓ نے خلافت سے دستبردار ہونے سے انکار کیا تھا اگر عثمانِ غنیؓ کو خلافت کی خواہش کسی دنیاوی غرض سے ہوتی تو وہ اس سازش کو بخوبی کچل سکتے تھے۔ مدینہ کے بیس ہزار صحابہؓ آپ کے لیے سینہ سپر تھے۔ ظاہر ہے ان کے مقابلے میں دو ڈھائی ہزار باغیوں کی کیا حیثیت تھی، جلیل القدر صحابہؓ نے آکر کہا:

"امیر المؤمنین! ہماری تلواریں ایک بار حضور علیہ السلام کی حمایت میں بے نیام ہو چکیں، آپ اجازت دیجئے کہ ہم آپ کی حمایت میں اپنی تلوار کے جوہر دکھائیں۔" مگر عثمانِ غنیؓ نے کہا۔ میں تم میں سے کسی کو لڑنے کی اجازت

نہ دوں گا۔ جو ایسا کرے گا وہ میرے حکم کے خلاف کرے گا، اگر میں جنگ کو پسند کرتا تو فوجوں کو حکم دیتا وہ چند گھنٹوں میں باغیوں کا صفایا کر دیتیں یا میں خود کسی محفوظ مقام پر چلا جاتا۔ مگر میرے سامنے حضور علیہ السلام کی وصیتیں اور ارشادات ہیں اس لیے میں ان دونوں باتوں میں سے کسی کو بھی اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

حضرت عثمانؓ نے جب باغیوں کے مقابل ہر طرح کی مزاحمت سے انکار کر دیا تو حضرت علیؓ اور ام المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ نے باغیوں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر ان کا جوشِ انتقام جنون کی حدوں کو چھو چکا تھا اس لیے حضرت علیؓ اور اُمّ حبیبہؓ کا افہام و تفہیم کارگر ثابت نہ ہوا۔ باغیوں نے قصرِ خلافت کا محاصرہ کر لیا۔ باہر سے کوئی چیز اندر جانے نہ پاتی تھی حتیٰ کہ پانی تک بند کر دیا۔ صحابہؓ کی ایک جماعت امیر المومنین کی حفاظت کے لیے سینہ سپر تھے، آپ نے سب کو واپس کر دیا۔ مگر پھر بھی حضرت امام حسنؓ، حضرت ابن عباسؓ، محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ واپس نہ گئے۔

امیر المومنین کی آخری تقریریں

یہ فتنہ اور سازش حضرت عثمانؓ کے خلاف نہ تھی۔ ان کی شخصیت

کو محض بہانہ بنایا گیا تھا۔ یہ تو درحقیقت اسلام اور مسلمانوں کی وحدت اور تنظیم کے خلاف ایک خوفناک سازش تھی۔ عثمانِ غنیؓ کی دوررس نگاہیں اس کے تباہ کن نتائج دیکھ رہی تھیں۔ چنانچہ اس محاصرہ کی حالت میں آپ نے ان دشمنانِ اسلام سے جو خطاب کیا اس نے آنے والے تاریک دور کی مکمل تصویر کھینچ دی ہے۔ آپ نے قصرِ خلافت کے اوپر سے فرمایا:

"لوگو! تم میرے قتل کے کیوں درپے ہو، میں تمہارا امیر اور مسلمان بھائی ہوں، خدا کی قسم جہاں تک میرے بس میں تھا میں نے اصلاحِ احوال کی پوری کوشش کی لیکن میں بہرحال انسان ہوں اس لیے اصابتِ رائے کے ساتھ لغزشیں بھی ممکن ہیں۔[۱]

لوگو! یاد رکھو، اگر آج تم نے مجھے قتل کر دیا تو قیامت تک نہ ایک ساتھ نماز پڑھ سکو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کر دگے۔"

عثمانِ غنیؓ کی یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی۔ عثمان غنیؓ کی شہادت سے وحدتِ اسلامی پارہ پارہ ہو گئی اور ان کی شہادت سے جو رخنہ پیدا ہوا وہ آج تک پورا نہ ہو سکا۔

حضرت عثمانؓ نے باغیوں سے آخری بات یہ کہی:

۱؎ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے۔ ازالۃ الخفا جلد اوّل از حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ

"لوگو! تم آخر مجھے کس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ تین صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان کا خون جائز نہیں، اسلام کے بعد جو مرتد ہو جائے، یا شادی کے بعد بدکاری کا مرتکب ہو، یا کسی کو قتل کرے تو قصاص میں قتل کیا جائے اور خدا کی قسم ان تینوں سے میرا دامن پاک ہے، پھر کس جرم کی پاداش میں مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟" [1]

حاجیوں کی واپسی کا وقت قریب آتا جارہا تھا، بعض مقامات سے فوجوں کی واپسی بھی متوقع تھی اس لیے باغیوں نے جلد سے جلد امیرالمومنین کی شمعِ حیات بجھا دینے کا فیصلہ کرلیا۔ عثمانِ غنیؓ کو اپنی شہادت کا کامل یقین تھا۔ باغیوں کی سرگرمی دیکھ کر آپ نے شہادت کی تیاری شروع کردی، جمعہ کے دن آپ نے روزہ رکھا، ایک نیا پائجامہ زیب تن کیا، بیس غلام آزاد کیے اور قرآنِ حکیم کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔ صدر دروازہ پر حضرت حسنؓ، ابنِ زبیرؓ محمد بن مسلمہؓ اور بہت سے نوجوان صحابہ زادے پہرہ دے رہے تھے، باغیوں سے کئی جھڑپیں بھی ہوئیں۔ جب باغیوں کو اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انھوں نے صدر دروازہ کو آگ لگا دی اور قصرِ خلافت سے متصل مکانوں کے ذریعہ اوپر

---

[1] مسند احمد بن حنبلؒ

چڑھ کر اندر داخل ہو گئے۔

شہادت

سب سے پہلے محمد بن ابی بکر نے جو حضرت عثمانؓ کے بڑے دشمنوں میں سے تھے، آگے بڑھ کر آپ کی ریش مبارک پکڑ لی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ " بھتیجے! اس کو چھوڑ دو۔ اگر آج تمہارے والد زندہ ہوتے تو کبھی تمہاری اس حرکت کو پسند نہ کرتے۔" محمد بن ابی بکر کو کچھ غیرت آئی اور وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے بعد غافقی بڑھ کر حملہ آور ہوا، اس نے قرآن کریم کو ٹھوکر مار کر الگ پھینک دیا، کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی کوئی چیز ماری کہ آپ تیورا کر گر پڑے۔ خون کا فوارہ کلام اللہ کے اوراق پر جاری ہو گیا۔ عمرو بن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر کئی وار کیے۔ آپ کی زوجہ حضرت نائلہ سے دیکھا نہ گیا وہ اپنے عظیم شوہر کو بچانے کے لیے بیتابانہ دوڑیں، ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اڑ گئیں اور بدبخت اعظم سودان بن حمران نے لپک کر آپ کو شہید کر دیا، خون کے آخری چھینٹے ان آیات پر گرے۔

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ پر صحابہ رض کے اثرات

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت، کتنا عظیم سانحہ تھی اور اکابر صحابہ رض نے اس کو کس حد تک محسوس کیا، اس کے اندازے کے لیے چند صحابہ کے آراء اور تاثرات نقل کر دینا کافی ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو جب شہادتِ عثمان رض کی خبر ملی تو کہنے لگے:

"عثمانِ غنی رض کی شہادت سے مسلمانوں میں قتل و قتال کی ابتداء ہوئی ہے، اور اس کی انتہاء فتنۂ دجال پر ہو گی۔"

حضرت حذیفہ کو جب شہادتِ عثمان رض کی خبر سنائی گئی تو آپ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے، کبھی غشی طاری ہو جاتی اور کبھی ہوش آتا، ہوش آتا تو بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے، اور کہتے: "اے اللہ!

اگر قتلِ عثمانؓ کوئی کام ہے تو بھی اس میں میرا کوئی حصہ نہیں، اور اگر برا کام ہے تو بھی میں اس سے بری الذمہ ہوں ـــ" نیز کہتے : " اگر قتلِ عثمانؓ (بالفرض) اچھا عمل ہے تو اُمت دودھ میں کھیلے گی، یعنی امن و سکون سے رہے گی، خوشحالی سے ہمکنار ہوگی، اور اگر بُرا کام ہے تو یقین جانو کہ اب امت میں باہم اختلاف، قتل و غارت اور خون ریزی شروع ہو جائے گی"۔ ـــ اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ شہادتِ عثمانؓ کے فوراً بعد اُمت دو حصوں میں بٹ گئی، اور ان کی وہ تلواریں جو دشمنوں کے لیے کوندتی تھیں، اب اپنوں ہی کے لیے بے نیام ہونے لگیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بہنوئی حضرت سعید بن زیدؓ نے شہادتِ عثمانؓ کی جاں کاہ خبر سنی تو کہنے لگے : " لوگو! اس بدعملی کی وجہ سے اگر اُحد پہاڑ پھٹ پڑے اور تم پر اس کے پتھروں کی بارش ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔"

ثمامہ بن عدیؓ نے سُنا تو بہت روئے اور پھر کہنے لگے :

" آج اُمتِ محمدیہ سے خلافتِ نبوت ختم ہو گئی، اب جابر حکومتوں کا دَور شروع ہوگا، اور جس کا جو دل چاہے گا، وہ کرے گا۔"

حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ :

" اگر لوگ حضرت عثمانؓ کے قتل کا قصاص طلب نہ کرتے تو

مجھے اندیشہ تھا کہ اُن پر آسمان سے پتھر برسائے جاتے۔"

حضرت ابوحمید ساعدیؓ کے دل پر شہادتِ عثمانؓ کا اتنا اثر تھا کہ آپ بار بار خدا سے توبہ استغفار کرتے اور کہتے کہ: "اے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ ہم اس سے بری الذمہ ہیں، جو کچھ ہوا ہمیں اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔"

شہادتِ عثمانؓ کو وہ اتنا المناک واقعہ سمجھتے تھے کہ ساتھیوں سے کہا کرتے کہ "اب ہمیں ہنسنا زیب نہیں دیتا!" خود بھی اس واقعہ کے بعد مرتے دم تک کبھی نہیں ہنسے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی زندگی بھر یہی حالت رہی، جب بھی شہادتِ عثمانؓ کا ذکر ہوتا تو بے اختیار رونے لگتے۔

حضرت حسانؓ بن ثابت یہ اشعار پڑھا کرتے:

(ترجمہ)۔ "اے ابوعمرو، آج جتنا رونا ہے رولے، اس سے بہتر رونے کا کوئی موقعہ نہیں ملے گا، کیونکہ آج ایک جلیل القدر صحابیِ رسولؐ کو مسجدِ نبوی کے قریب اونٹوں کی طرح ذبح کر دیا گیا ہے۔"

غرض حضرت عثمانِ غنیؓ کی شہادت پر اکثر صحابہؓ کے ایسے ہی تاثرات تھے۔[۱]

---

[۱] البدایۃ والنہایہ۔ ج ۷، ص ۱۹۰ - ۱۹۴
الطبقات الکبریٰ ابنِ سعد۔ ج ۳، ص ۸۰ - ۸۳

امیر المومنین

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

۶۰۲م — ۶۶۱م

خلافت

ازیکم محرم الحرام ۳۶ ہجری تا ۱۸ رمضان ۴۰ ہجری

مُدّتِ خلافت

چار سال ، آٹھ مہینے ، اٹھارہ دن

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا نام علی، لقب اسد اللہ اور کنیت ابوتراب تھی نبی علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے، حضرت علی کے والد ابوطالب اگرچہ اسلام کی دولت سے بہرہ ور نہ ہوئے تھے مگر ان کو حضور علیہ السلام سے بیحد محبت تھی۔ آپ کی والدہ مسلمان بھی ہوئیں اور ہجرت بھی کی۔

نبی کریم علیہ السلام کے اور بھی کئی چچا تھے مگر آپ کو جو تعلق حضرت علیؓ کے والد ابوطالب کے ساتھ تھا وہ کسی اور سے نہ تھا، اُس زمانہ میں جب حضور علیہ السلام ہر طرف سے مشرکین مکہ کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے اور ہر وقت نبی خدا کو تکلیفیں پہنچانے کے درپے رہتے تھے اس وقت ابوطالب آپؐ کی حمایت میں پیش پیش رہتے اور ہر موقع پر آپ کی پشت پناہی کرتے تھے۔

ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی۔ عیال کا بوجھ زیادہ تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مشفق چچا کا بوجھ ہلکا کرنے

ہلکا کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو اپنے دامنِ عاطفت میں لے لیا، اس طرح ابتداء ہی سے حضرت علی نے آغوشِ نبوت میں پرورش پائی۔

اسی صالح تربیت کا اثر تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو اس نوعمر لڑکے نے بلا جھجک لبیک کہا۔ تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ لڑکوں میں سب سے پہلے دعوتِ اسلام قبول کرنے والے علی ہیں۔

قبول اسلام کے بعد حضرت علی وعظ و نصیحت کے جلسوں اور دعوتِ اسلام کے مجمعوں میں ہمیشہ نبی علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے۔ بعثت کے چوتھے سال جب قریبی اعزہ کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا حکم آیا اور آپؐ نے اس کی تعمیل میں کوہِ صفا پر چڑھ کر اپنے قبیلہ اور خاندان کے لوگوں کو جمع کیا اور ان سے فرمایا:

"اے بنی مطلب! میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، تم میں سے کون میرا ساتھ دیتا ہے۔ اور کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے۔"

اس کے جواب میں صرف ایک آواز آئی کہ "گو میں عمر میں چھوٹا ہوں اور میری ٹانگیں کمزور ہیں، تاہم میں آپ کا معین و مددگار اور دستِ و بازو بنوں گا، یہ آواز علیؓ بن ابی طالب کی تھی، آنحضرتؐ نے تین بار اسی سوال کو

دہرایا، اس کے جواب میں ہر مرتبہ علی ہی کی آواز آئی۔ اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا۔ "تم میرے بھائی ہو۔" حضرت علیؓ کا یہ دعویٰ محض زبانی نہ تھا۔ آپ کا عمل اس سے بھی بڑھ کر رہا۔

مدینہ آنے کے ۲ھ ہجری میں آپ کو نبی علیہ السلام کی دامادی کا شرف حاصل ہوا۔ اسی وقت سے آپؓ کی مستقل اور عملی زندگی کا آغاز ہوا، ہجرتِ مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا۔ غزوۂ تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں نبی علیہ السلام کے ساتھ شریک رہے[1] اور غزوۂ بدر، احد، خندق، بنی قریظہ اور حنین میں اپنی بے مثال بہادری و شجاعت کے جوہر دکھائے، نبی علیہ السلام کی زندگی میں کئی اسلامی جنگیں آپ کی قیادت اور سرکردگی میں لڑی گئیں جنہیں پوری کامیابی کے ساتھ انجام کو پہنچایا۔

جاں نثاری کا پہلا مرحلہ

جب دعوتِ اسلام گھر گھر پہنچنے لگی تو مشرکینِ مکہ بہت تلملائے ایک روز سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ حضورؐ کی ذاتِ اقدس ہی کو ختم کر دیں، یہ مذہب خود بخود ختم ہو جائے گا، وحیِ الٰہی نے آنحضورؐ کو مشرکین کے ارادوں سے

---

[1] علی بن ابی طالب، از عمر ابو النصر ص ۲۳ طبع بیروت

ارادوں سے باخبر کردیا، ہجرت مدینہ کا حکم آگیا۔ سرورِ کائنات نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ ہو گیا تو فوراً پیچھا شروع کردیں گے اور مکّہ سے نکلنا دشوار ہو جائے گا، حضرت علیؓ کو اپنے حجرۂ مبارک میں بستر پر آرام کرنے کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منوّرہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

اس وقت حضرت علیؓ کی عمر زیادہ سے زیادہ بائیس برس کی تھی، اس عنفوانِ شباب میں اپنی زندگی کے لیے پیش کردینا فدائیت اور جاں نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے، رات بھر مشرکین حجرۂ مبارک کا محاصرہ کیے رہے، اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان انتہائی سکون واطمینان کے ساتھ محوِ خواب رہا، تمام رات کفارِ مکہ اس غلط فہمی میں رہے کہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر آرام فرما رہے ہیں، صبح ہوئی تو اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لیے اندر آئے لیکن یہ دیکھ کر سب انگشت بدنداں رہ گئے کہ سرورِ کونین کے بجائے آپؐ کا جاں نثار بھائی بارگاہ رسالت میں اپنی جان کا نذرانہ دینے کے لیے محوِ خواب ہے، شہنشاہِ دوعالم کے بستر پر علی کو دیکھ کر مشرکین سخت برہم ہوئے، سب کو اپنی غفلت پر طیش آیا اور حضرت علی کو چھوڑ کر اپنے مقصود کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

حضرت علیؓ نبی علیہ السلام کے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین

دن مکہ میں مقیم رہے اور آنحضورؐ کی ہدایت کے مطابق لوگوں کی امانتیں اور قرضے چکا کر مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

بھائی بھائی

مدینہ منورہ پہنچ کر جب نبی کریم علیہ السلام نے مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ کرایا تو حضورؐ نے حضرت علی کو اپنا بھائی بنایا۔

حضرت فاطمہ سے نکاح

مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے چند روز بعد یعنی ۲ھ ہجری میں نبی علیہ السلام نے آپ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا اور محبوب ترین بیٹی — سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ سے نکاح کر دیا۔

فاطمۃ الزہراؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کی تھی اس کے بعد حضرت عمرؓ نے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا۔ ان دونوں کے بعد حضرت علیؓ نے خواہش ظاہر کی۔ حضورؐ نے پوچھا۔ تمہارے پاس مہر کے لیے کیا ہے؟ ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ بھی نہیں، حضورؐ نے فرمایا، گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے۔ البتہ زرہ کو فروخت کر دو۔ حضرت علیؓ نے زرہ

حضرت عثمانِ غنیؓ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں فروخت کردی اور قیمت لاکر آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کی۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں۔ خود نکاح پڑھایا۔ میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا کی۔

جہیز

حضرت فاطمۃ الزہراء کو اپنے میکے سے جو جہیز ملا، اس کی کل تفصیل یہ تھی۔ ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ چیزیں زندگی بھر حضرت فاطمہؓ کی رفیق رہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، تمام عمر اس میں کوئی اضافہ نہ کرسکے۔

رہن سہن

آپ کی ذات گرامی ترکِ دنیا کا اعلیٰ ترین نمونہ تھی، آپ کے کاشانۂ فقر میں دنیاوی شان و شوکت کا کوئی گزر نہ تھا، دورِ خلافت میں کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہو گئے۔ اور فرمایا۔

"مجھے محلات کی خواہش نہیں۔ میرے لیے یہ میدان ہی بس ہے۔"

ایک مرتبہ شدتِ بھوک میں گھر سے باہر نکلے کہ محنت مزدوری کر کے

کچھ لائیں۔ آبادی کے قریب دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے، اُس کے قریب جاکر پوچھا کیا کرنا چاہتی ہے؟ بولی اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہوں۔ آپؓ نے اُجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے۔ اتنا پانی سینچا کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے، اور اجرت کیا ملی۔ مٹھی بھر کھجوریں، تنہا خوری کی عادت نہ تھی اس لیے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، پوری کیفیت سنائی حضورؐ نے کھانے میں آپؓ کا ساتھ دیا۔

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، سرکارِ دو عالم کی بیٹی گھر کا سارا کام کاج اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام کے پاس کسی غزدہ میں سے بہت غلام اور کنیزیں آئیں۔ بنتِ رسول نے سوچا کہ شائد اب میری مشکل آسان ہو جائے، گھر کے کام کاج کے لیے کوئی نوکر مل جائے۔ اسی توقع پر آپ حضور علیہ السلام کی خدمت میں تشریف لے گئیں کہ شفیق باپ سے اپنی مصیبت بیان کریں۔ پہنچیں تو سرورِ کائنات موجود نہ تھے واپس چلی آئیں۔ حضور تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت فاطمہؓ کے آنے کی خبر دی، حضورؐ خود اپنی بیٹی اور داماد کے گھر تشریف لے گئے اور فاطمہؓ سے فرمایا۔ "کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتا دوں جو تمہارے لیے خادم سے کہیں زیادہ بہتر ہو۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا۔ ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔"

عَلیِ مرتضٰی نے محنت و مزدوری میں کبھی عار نہیں کیا۔ لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپ کبھی جوتا سیتے، کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے ملتے، سادگی اور بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ اکثر فرشِ خاک پر سو جاتے، ایک دفعہ نبی علیہ السلام آپ کو تلاش کرتے ہوئے مسجدِ نبوی میں تشریف لائے، دیکھا کہ عَلیِ بڑی بے تکلفی سے زمین پر پڑے سو رہے ہیں، چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی اور پورا جسم گرد و غبار سے اٹا ہوا ہے، حضور علیہ السلام کو یہ سادگی بے حد پسند آئی۔ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت علیؓ کا بدن صاف کیا اور محبت آمیز لہجہ میں بولے "قُم یا اَبا تراب" اے مٹی والے۔ اب اٹھ! زبانِ نبوی کی عطا کی ہوئی یہ کنیت حضرت علیؓ کو اتنی پسند آئی کہ جب کوئی آپؓ کو اس کنیت کے ساتھ خطاب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی۔

ایامِ خلافت میں بھی آپؓ کی یہ سادگی قائم رہی۔ عموماً چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتہ پہنتے اور معمولی کپڑے کا تہ بند باندھے بازار میں گشت کرتے پھرتے۔ اگر کوئی پیچھے ہو لیتا تو منع کرتے کہ اس میں امیر کے لیے فتنہ اور مومن کے لیے ذلت ہے۔

درِ دولت پر نہ کوئی خادم تھا نہ دربان ہم شاہانہ تزک و حشم کا تو بھلا وہاں کیا گزر، جب قیصر و کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لیے زر و جواہر اگل

رہی تھی۔ اسلام کا خلیفہ اس وقت بھی ایک غریب اور عام آدمی کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ بسا اوقات خلیفۂ وقت کو فقر و فاقہ کی نوبت آجاتی تھی ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

"میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم اگر میرے پاس ایک تہ بند کی قیمت ہوتی تو میں اس کو فروخت نہ کرتا۔"

ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ "امیرالمومنین! تہ بند کی جتنی قیمت ہے، میں آنا قرض دیتا ہوں۔"

امانت و دیانت

آپ ایک امین و صادق کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے، اس لیے ابتداء ہی سے امین تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی امانتیں تھیں، جب آپؐ نے مکہ سے ہجرت فرمائی تو تمام امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کر آئے، مکہ سے حضورؐ کی روانگی کے بعد حضرت علیؓ نے لوگوں کو ان کی امانتیں اور قرضے واپس کیے۔

عہدِ خلافت میں آپ نے بیت المال کی جس طرح دیکھ بھال اور امانتداری کی اس کا اندازہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے ہوسکتا ہے کہ "ایک دفعہ نارنگیاں آئیں۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے ایک نارنگی اٹھالی،

امیر المؤمنین نے دیکھا تو فوراً چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی[1]

جب مال غنیمت تقسیم کرتے تو برابر حصے لگا کر انتہائی احتیاط سے تقسیم کرتے کہ کہیں کمی بیشی نہ ہو جائے، ایک مرتبہ اصفہان سے کچھ مال آیا۔ اس میں روٹی بھی تھی، حضرت علیؓ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈال کر تقسیم کر دیا۔

ایک بار بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دی اور دو رکعت نماز ادا کی تاکہ وہ قیامت میں ان کی امانت و دیانت کی گواہ رہے۔

جود و کرم

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اگرچہ دنیاوی مال و منال سے تہی دامن تھے لیکن دل بے حد غنی تھا۔ کبھی کوئی سائل اور حاجت مند آپ کے دَر سے خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹا، ایک دفعہ مزدوری کر کے کچھ جَو حاصل کیے۔ واپس گھر تشریف لائے تو اُن میں سے ایک تہائی پسوا کر حریرہ پکوایا۔ ابھی اُسے ہاتھ بھی لگانے نہ پائے تھے کہ ایک فقیر نے صدا دی، آپ نے اٹھا کر پورا کا پورا اس کے حوالہ کر دیا، اس کے بعد اور ایک تہائی کا

---

[1] ازالۃ الخفاء

حریرہ بنوایا، پک کر تیار ہوا ہی تھا کہ ایک یتیم نے دستِ سوال پھیلایا آپ نے وہ اس کی نذر کر دیا۔ اسی طرح باقی ماندہ ایک تہائی جَو بھی کسی ضرورتمند قیدی کی نذر ہو گئے۔ اور یہ مردِ حق آگاہ رات بھر کی محنت و مشقت کے باوجود دن بھر فاقہ مست رہا، اللہ جلّ شانہٗ کو آپ کا یہ ایثار اتنا بھایا کہ اس کے صلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا

اور اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں،

ذوقِ عبادت

عبادت کا آپ کو بے حد ذوق و شوق تھا۔ گویا عبادت آپ کا مشغلہ حیات تھی۔ قرآنِ کریم خود اس کا شاہدِ عادل ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ
الَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی
الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ
تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ
فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا

محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں آپس میں نرم اور رحم دل ہیں، تم انہیں دیکھتے ہو کہ بہت رکوع اور بہت سجود کر کے خدا کا

فضل اور اس کی خوشنودی کی
جستجو کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ سے حضرت ابوبکر صدیق مراد ہیں، اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ سے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ رُکَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سے عام صحابہ مراد ہیں، اس سے عبادات میں حضرت علیؓ کی تمام صحابہ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ کیوں کہ رکوع وسجود اور فرائض و نوافل کی پابندی تمام صحابہ کا مشترک وصف تھا۔ پھر اس اشتراک میں تخصیص اس بات کی علامت ہے کہ اس بارہ میں علیِ مرتضیٰ کو باقی پر کچھ امتیاز حاصل ہے۔ قرآنِ حکیم کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہ کی زبانیں حضرت علیؓ کے اس امتیازی وصف کی گواہ ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:-

کَانَ مَا عَلِمْتُ صَوَّامًا قَوَّامًا:	جہاں تک میرے علم میں ہے حضرت علیؓ بہت روزے رکھنے والے اور بیحد عبادت گزار تھے۔

زہیر بن سعید قرشی کہتے ہیں:

لَمْ اَرَ ھَاشِمِیًّا قَطُّ	میں نے کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جوان سے

كَانَ اَعْبُدُ اللّٰهَ مِنْهُ : زیادہ خدا کا عبادت گزار ہو۔

ایک بار نبی علیہ السلام نے حضرت فاطمہؓ اور آپؓ سے فرمایا کہ :

"تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تحمید، دس بار تسبیح اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو، اور جب سونے لگو تو ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔" حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کی تلقین کی تھی میں نے اس کو کبھی نہیں چھوڑا، ابن کوا نے پوچھا صفین کی رات میں بھی؟ فرمایا، ہاں صفین کی شب میں بھی نہیں۔

فضل وکمال

حضرت علیؓ نے بچپن سے دامنِ نبوت میں پرورش اور تعلیم وتربیت پائی، جوانی میں نبیؐ کی دامادی کے شرف سے سرفراز ہوئے ان خصوصیات کے علاوہ آپ میں تحصیلِ علم اور کسبِ کمال کی فطری صلاحیت اور ذوق تھا اس لیے مکتبِ نبوت سے جو فیض آپ کو پہنچا وہ کم لوگوں کا نصیبہ بن سکا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جن کا علم اور تفقہ صحابہ میں مُسلّم تھا، وہ فرمایا کرتے تھے "علم کے دس حصوں میں خدا نے علیؓ کو

نو حصے عطا کئے ہیں۔" زبانِ نبوت نے آپ کو اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا کی سند عطا کی تھی [1]

کلام اللہ پر آپ کی نظر اتنی گہری اور وسیع تھی کہ کسی آیت کا کوئی پہلو آپ کی نظر سے مخفی نہ تھا۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے "قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارہ میں، میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ یہ کب۔ کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی اور اس کا شانِ نزول کیا ہے"!

فہم قرآن اور اس سے احکام و مسائل کے استنباط کا خاص ملکہ تھا، تفسیر کی کتابیں اور احادیث کے ابواب تفسیر آپ کی روایتوں سے بھرے پڑے ہیں۔ تفسیر کتاب اللہ میں حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، کے علاوہ کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔

اصول و کلیات سے جزدی اور فروعی مسائل مستنبط کرنے کا خاص ملکہ تھا۔ اسی لیے فقہ میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ اکابر صحابہ فقہی مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ بذاتِ خود مجتہد اور امامِ فقہ تھے مگر اس کے باوجود حضرت علی سے بہت سے اہم اور فقہی مسائل میں رجوع کرتے تھے، حتیٰ کہ بعض

---

[1] ترمذی، مشکوٰۃ شریف

مرتبہ آپ کے حریف امیر معاویہؓ تک کو آپ سے رجوع کرنا پڑا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اپنے دَورِ خلافت میں ہمیشہ اہم معاملات میں حضرت علیؓ سے مشورے لیتے رہے، ایک بار حضرت عمرؓ نے ایک پاگل زانیہ پر حدِ زنا جاری کرنا چاہی تو حضرت علیؓ نے روک دیا اور کہا "شرعاً مجنون اور پاگل پر حد جاری نہیں ہو سکتی، یہ لوگ شرعی حدود سے مستثنیٰ ہیں" ۱؎

ایک بار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ ایک مرتبہ پاؤں دھونے کے بعد کتنے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ فرمایا "علیؓ سے جاکر پوچھو۔ انہیں بہتر معلوم ہوگا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ سفر حضر میں نبی علیہ السلام کے ساتھ رہتے ہیں۔" چنانچہ سائل نے حضرت علیؓ سے جاکر پوچھا۔ آپؓ نے فرمایا۔ "مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک۔"

فقہ کا اہم اور بنیادی پہلو "فصلِ مقدمات" ہے، اس وصف میں پوری جماعتِ صحابہؓ میں کوئی آپ کا ہم سر نہ تھا، نبی کی لسانِ حقیقت بیان نے فرمایا "واقضاہم علیؓ۔" (صحابہ میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں)

۱؎ مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص۱۴۰

خود نبی علیہ السلام قضا کی خدمت آپؓ کے سپرد فرماتے تھے۔ چنانچہ اہلِ یمن اسلام لائے تو حضورؐ نے سب سے پہلے حضرت علیؓ کو وہاں کا قاضی بنا کر بھیجا۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے اقضانا علیؓ و اقرانا ابیؓ یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لیے سب سے موزوں حضرت علیؓ ہیں، اور سب سے بہتر قاری حضرت اُبَیؓ بن کعبؓ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہا کرتے کہ ہم (صحابہ) میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے حضرت علیؓ ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ جن پر فقہِ حنفی کا مدار ہے اور جن کو علماء نے "فقیہ الامت" کے لقب سے نوازا، حضرت علیؓ ہی کے فیض یافتہ تھے۔

ذاتِ نبویؐ کے ساتھ انتہائی قریبی تعلق ہونے کے باعث آپ کو سماعِ حدیث کا پورا موقع ملا، پھر وصالِ نبوی کے طویل عرصہ تک تعلیم وارشاد کی مسند پر جلوہ گر رہے۔ اس لیے حفظِ حدیث روایت حدیث اور کتابتِ حدیث، تینوں میں آپ نے منفرد اور ممتاز مقام حاصل کیا، آپ کی روایت کردہ حدیثوں کی تعداد خلفائے راشدین میں سب سے زیادہ ہے لیکن احادیث کی روایت میں آپ بھی اپنے تینوں پیش روؤں کی طرح بے حد محتاط۔ بلکہ ایک حد تک متشدد تھے۔ اسی لیے دوسرے کثیر الروایت صحابہ کے مقابل

آپ کی روایت کردہ حدیثوں کی تعداد پانچ سو چھیاسی ہے۔
آپ نے فقہی احکام کی حدیثوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، جس کا نام صحیفہ تھا [۱]

بہت بڑا شرف

سنہ ۹ ہجری جب نبی کریم علیہ السلام نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا تو حضرت علیؓ کو اہل بیت کی حفاظت کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا، علی مرتضیٰؓ کو جہاد سے محرومی کا تو غم تھا ہی، منافقین کی طعنہ زنی نے اور رنجیدہ و ملول کر دیا، سرورِ کائنات کو اس بات کا علم ہوا تو فرمایا:

"علیؓ! کیا تم اسے پسند کرو گے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ مرتبہ ہو جو موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کا تھا۔"

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال نبی علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا، اسی اثنا میں سورۂ برأت نازل ہوئی لوگوں نے کہا۔ اگر یہ سورۃ ابوبکرؓ کے ساتھ حج کے موقعہ پر لوگوں کو سنانے کی ہدایت کر دی جاتی تو اچھا ہوتا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میری طرف

---

[۱] بخاری۔ کتاب العلم

سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے ۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر اس سورۃ کو سنائیں اور اعلانِ عام کر دیں کہ:

"کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا، اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے ۔ کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف نہ کرے اور جس کا رسولِ خدا سے کوئی عہد ہے وہ معین مدت تک باقی رہے گا ۔"

غزوات میں سرفروشی

سلسلہ غزوات میں سب سے پہلے غزوۂ بدر واقع ہوا ۔ اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، آگے آگے سیاہ رنگ کے دو عَلَم تھے، ان میں ایک علیِ مرتضیٰ کے ہاتھ میں تھا، جب میدانِ بدر کے قریب پہنچے تو سرورِ کائنات نے حضرت علیؓ کو چند منتخب جاں بازوں کے ساتھ دشمن کی نقل و حرکت کا پتہ لگانے کے لیے آگے بھیجا، حضرت علیؓ نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت سر انجام دی[1] اور مسلمانوں نے مشرکین سے پہلے آبِ جنگ پر

---

[1] آج کل کی اصطلاح میں ایسے فوجی جوانوں یا افسروں کو جو دشمن کے مورچوں کے قریب

(باقی اگلے صفحہ پر)

اور پانی کے چشموں پر قبضہ کر لیا۔ پھر جب باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوا تو عرب کے اس وقت کے دستور کے مطابق کافروں کے تین نامی گرامی بہادر آگے آئے اور انہوں نے مسلمانوں میں سے تین مبارز (مقابل) طلب کیے۔ نبی علیہ السلام نے اپنے خاندان کے تین جوانوں کے نام لیے۔ حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ، تینوں اپنے اپنے حریفوں کے مقابلہ کے لیے میدان میں نکلے، حضرت علیؓ نے پہلے ہی وار میں اپنے حریف ولید کو خاک و خون میں تڑپا دیا، دوسری طرف لپک کر عبیدہؓ کی مدد کی اور ان کے مدِمقابل شُیبہ کو بھی جہنم واصل کر دیا، مشرکین نے طیش میں آکر عام حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرۂ تکبیر لگا کر کفار کی صفوں میں گھس گئے علیِ مرتضیٰؓ نے دشمنوں کی صفیں کی صفیں الٹ دیں اور شمشیر دستاں کے وہ جوہر دکھائے کہ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور خدا نے مسلمانوں کو فتح و کامرانی عطا کی۔ آپ کو مالِ غنیمت میں ایک زرہ، ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)۔ یا چپ در است میں پہنچ جاتے ہیں اور وہاں سے وائرلیس پر اپنے توپ خانہ کو دشمن کی نقل و حرکت کی خبریں دیتے ہیں، او۔پی کہتے ہیں اور آج سب جانتے ہیں کہ یہ کتنا اہم اور جاں بازی کا کام ہے۔

غزوۂ احد میں حضرت علیؓ کی جاں نثاری

شوال ۳ھ ہجری میں احد کا معرکہ پیش آیا، ابتدا میں مسلمانوں نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود دشمن کو پیچھے دھکیل دیا، لیکن عقب کے محافظ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پیچھے سے ٹوٹ پڑے، اس اچانک حملہ سے مسلمانوں میں گھبراہٹ اور ابتری پھیل گئی۔ سرورِ کائناتؐ کے روئے انور پر زخم آئے، دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ اور آپؐ خندق میں گر پڑے۔ حضرت علیؓ نے عَلَم اٹھا لیا اور بے جگری سے دادِ شجاعت دی، مشرکین کے علم بردار سعد بن طلحہ نے مقابلہ کے لیے للکارا، علی مرتضیٰ آگے بڑھے اور آپ کی تلوار اس طرح کوندی کہ ابو سعد فرشِ خاک پر تڑپ گیا۔

۵ھ ہجری میں جب غزوۂ خندق پیش آیا تو اس وقت بھی حضرت علی نے جاں بازی و جاں سپاری کے خوب جوہر دکھائے۔

فاتح خیبر

۷ھ ہجری میں خیبر پر حملہ ہوا، یہاں یہودیوں کے بڑے مضبوط قلعے تھے۔ جن کا فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔ پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کی

تسخیر پر مامور ہوئے اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ، مگر کامیابی نہ ہوسکی۔ سرورِ کائنات نے فرمایا۔ "کل ایک ایسے بہادر کو علَم دوں گا جو خدا اور اس کے رسول کا محبوب ہے اور خیبر اسی کے ہاتھ پر فتح ہوگا۔ صبح ہوئی تو بڑے بڑے جاں باز اپنے نام سننے کے منتظر تھے، ہر شخص کی تمنا تھی کہ اس فخر کا تاج اس کے سر پر رکھا جائے مگر کون جانتا ہے کہ یہ دولتِ گراں مایہ علیِ مرتضیٰ کے لیے مقدر ہوچکی تھی، دفعتہ حضور علیہ السلام نے حضرت علی کا نام لیا، یہ انتخاب غیر متوقع تھا۔ کیوں کہ حضرت علیؓ آشوبِ چشم میں مبتلا تھے، حضورؐ نے ان کو بلاکر ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ آپ کی یہ شکایت جاتی رہی، اس کے بعد علَم دیا، حضرت علیؓ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! کیا میں لڑکر ان کو مسلمان بنالوں؟ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں، پہلے اسلام پیش کرنا۔ اسلام کے فرائض سے آگاہ کرنا اگر تمہاری کوشش سے ایک شخص بھی مسلمان ہوگیا تو وہ تمہارے لیے بڑی سے بڑی نعمت سے بہتر ہے۔ لیکن یہودیوں کی قسمت میں اسلام کی عزت و سرفرازی کے بجائے شکست و محکومیت کی رسوائی لکھی تھی، انہوں نے آنحضرتؐ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کا نامور سردار مرحبؔ بڑے جوش سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا:

قد علمت خیبر مرحب

شاکی السلاح بطل مجرب

اذا الحرب اقبلت تلہب

یعنی خیبر تو جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں سے لیس ہوں بہادر ہوں، تجربہ کار ہوں، اس وقت جبکہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے

فاتح خیبر علیؓ مرتضیٰ نے اس متکبرانہ رجز کا یوں جواب دیا :

اَنَا الَّذِی سمتنی امّی حیدر   کلیث غابات کریہ النظر

اوفیہم بالصاع کیل السندرؔ

میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے، جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراونا ہوں، میں دشمنوں کو انتہائی سرعت اور تیزی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیتا ہوں۔

آپ بجلی کے کوندے کی طرح لپکے اور ایک ہی وار میں مرحب کا کام تمام کر دیا۔

غزوۂ حنین میں علیؓ کی ثابت قدمی

فتح مکہ کے بعد معرکۂ حنین میں پیش آیا، اگرچہ فتح مکہ نے قریش کی کمر توڑ دی تھی اور بہت سے قبائل عرب نے از خود پیش قدمی کرکے اسلام میں داخل ہونا شروع کر دیا لیکن بعض سرکش قبائل اپنی شکست پر سخت برہم

تھے، ان میں ہوازن اور ثقیف عرب کے ممتاز اور جنگ جو قبیلے تھے، اسلام کے اقتدار سے ان کی شوکت اور برتری پامال ہو رہی تھی اس لیے ان قبیلوں کے سرداروں نے مسلمانوں سے بھرپور جنگ کا فیصلہ کیا، جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ عورتوں اور بچوں کو بھی میدانِ جنگ میں ساتھ لے آئے کہ ان کی لاج میں قدم اکھڑنے نہ پائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار کا مضبوط لشکر لے کر نکلے جو پوری طرح فوجی ساز و سامان سے لیس تھا، اس سے پہلے مسلمان اتنی تعداد میں دشمن کے مقابلہ کے لیے نہیں نکلے تھے چنانچہ بعض کی زبانوں سے یہ نکلا کہ "آج ہم اتنی بڑی تعداد میں ہیں اور اتنے ساز و سامان سے لیس ہیں، بھلا ہم پر کون غالب آ سکتا ہے" اللہ کو یہ بات پسند نہ آئی، لڑائی کے آخری مرحلہ میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، کم لوگ ثابت قدم رہے ان میں حضرت علیؓ بھی تھے، آپ نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ جمے رہے بلکہ اپنی غیر معمولی بہادری سے لڑائی کا پانسہ پلٹ دیا، دشمنوں کے سپہ سالار پر حملہ کر کے اسے ختم کر دیا، دوسرے جو مجاہد ثابت قدم رہ گئے تھے ان کے بھی حوصلے بڑھ گئے اور اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کی پریشانی اور افراتفری کے باوجود کافروں کو شکست ہوئی [۱]

---

[۱] سیرت ابن ہشام جلد ۳ تاریخ اسلام جلد اوّل، از شاہ معین الدین ندوی

دعوتِ اسلام میں حصہ

مکہ فتح ہونے کے بعد ایک طرف قبائل عرب نے خود اسلام کی طرف سبقت کی، دوسری طرف قریش کی قوت و شوکت کا شیرازہ بکھرنے کے بعد نبی علیہ السلام کو زیادہ آزادی اور ہمہ گیری کے ساتھ تبلیغ اسلام کا موقعہ ملا، آپؐ نے ہر طرف مبلغین روانہ فرمائے، ان میں حضرت علیؓ سرِ فہرست تھے، آپ کو قبیلۂ خذیمہ اور مذحج میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ کیا گیا، ہمدان یمن کا سب سے ممتاز اور بڑا قبیلہ تھا۔ ۸ھ ہجری کے آخر میں وہاں حضرت خالدؓ بن ولید کو تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا، انہوں نے چھ ماہ تک وہاں تبلیغ کی مگر خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ نبی کریم علیہ السلام نے انہیں وہاں سے بلا لیا اور حضرت علیؓ کو بھیجا۔ آپؓ کی کوششوں سے پورا قبیلہ اسلام لے آیا۔

۱۰ھ ہجری میں نبی علیہ السلام نے یمن کے ایک اور قبیلہ مذحج میں تبلیغ اسلام کے لیے حضرت علیؓ کو بھیجا، جب آپ نے وہاں پہنچ کر تبلیغ اسلام کا آغاز کیا تو وہاں کے لوگوں نے تیروں اور پتھروں کی بارش کی، آپؓ نے ان کا مقابلہ کیا۔ ۲۰ مذحجی مارے گئے، اس کے بعد قبیلہ کے سرداروں نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر قبولیتِ اسلام کا اعلان کیا۔

فصاحت وبلاغت

آپ فصحائے عرب میں تھے، آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہیں، شریف رضی نے "نہج البلاغۃ" کے نام سے آپ کے خطبات جمع کیے ہیں گو ان سب کی نسبت حضرت علیؓ کی طرف صحیح نہیں ہے تاہم ان میں آپ کے خطبات کی تعداد کافی ہے، اس کے علاوہ طبری، اخبار الطوال اور مسعودی وغیرہ تاریخ کی کتابوں میں آپ کے بہت سے خطبات محفوظ ہیں جو عربی ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

شعر و شاعری کا بڑا ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ ایک پورا دیوان آپ کی طرف منسوب ہے۔ لیکن وہ عربی ادب کے لحاظ سے اتنا پست ہے کہ اُسے عرب کے کسی عام شاعر کی طرف بھی منسوب نہیں کیا جاسکتا چہ جائے کہ حضرت علیؓ جیسے افصح العرب کی طرف ان کی نسبت کی جائے۔ بعض مستند کتابوں میں آپ کے بعض اشعار اور حضرت فاطمہؓ کا مرثیہ منقول ہے۔

خلافت

نبی علیہ السلام کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بالترتیب حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن مسند خلافت خالی رہی، اس عرصہ میں صحابہ نے حضرت علیؓ سے منصب خلافت قبول کرنے کے لیے شدید اصرار کیا، ابتداءً حضرت علیؓ نے اس بارگراں کو اٹھانے سے معذوری کا اظہار کیا۔ لیکن مہاجرین وانصار کے اصرار نے آپ کو مجبور کر دیا اور بالآخر عثمانِ غنیؓ کے حادثۂ شہادت کے تین روز بعد ۱۲ ذی الحج ۳۵ ہجری بروزِ دوشنبہ مسجدِ نبویؐ میں اُن سب لوگوں نے جنہوں نے ابوبکرؓ وعمرؓ کو خلیفہ منتخب کیا تھا متفقہ طور پر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔

مسندِ خلافت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلا مسئلہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو پکڑنا اور ان کو سزا دینا تھا۔ بعض پیچیدہ اسباب کی بنا پر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ لیکن یہ قطعاً نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے کوتاہی کی گئی۔ اس مسئلہ کا ایک دشوار تر پہلو یہ تھا کہ کسی معین شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی۔ حادثۂ شہادت کے وقت گھر میں حضرت عثمانِ غنیؓ کی زوجۂ محترمہ حضرت نائلہ تھیں۔ وہ حملہ آوروں میں صرف محمد بن ابی بکر کو پہچانتی تھیں، محمد بن ابی بکر عثمانِ غنیؓ کے اس جملہ سے نادم ہو کر لوٹ گئے تھے کہ "اگر آج تیرا باپ زندہ ہوتا تو وہ تیرے اس عمل سے کبھی خوش نہ ہوتا"، جب حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو بُلا کر پوچھا تو انہوں نے قسم کھا کر اپنی برأت کا اظہار کیا، دوسری مشکل اور

پیچیدگی یہ تھی کہ قتل کسی ایک یا دو فرد کا عمل نہ تھا۔ دو ڈھائی ہزار شرپسندوں کا ایک گروہ تھا جس کی سازش اور پشت پناہی سے تاریخ اسلام میں اس الم ناک باب کا اضافہ ہوا، حضرت علیؓ ملک کی بعض داخلی اور سیاسی مصلحتوں کی بنا پر مجبور تھے کہ منصبِ خلافت سنبھالتے ہی اس منظم اور سرکش گروہ کے خلاف کوئی انتہائی قدم اٹھائیں، لوگ صرف قصاص چاہتے تھے، حضرت علیؓ کی مجبوریوں پر ان کی نظر نہ تھی۔

بدقسمتی سے ایک مشکل یہ پیدا ہو گئی کہ جس جماعت سے یہ لوگ تعلق رکھتے تھے اس نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس لیے آگے چل کر بعض صحابہؓ کو خود اپنے طور پر اس جماعت سے قصاص لینے کا خیال پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں جنگِ جمل ہوئی۔

جنگِ جمل

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ہر سال حج کے لیے تشریف لے جایا کرتی تھیں، جس وقت عثمانِ غنیؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اس وقت آپ مکہ مکرمہ میں تھیں، یہیں آپ کو واقعۂ شہادت کی خبر ملی، جب آپ مکہ سے لوٹ رہی تھیں تب آپ کو راستہ میں آپ کے کسی قریبی رشتہ دار نے خبر دی کہ حضرت عثمانِ غنیؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے

علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے اور مدینہ میں بدامنی اور انتشار پھیلا ہوا ہے۔ یہ سن کر ام المؤمنین مکہ واپس ہو گئیں۔ اس کے فوراً بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مکہ پہنچ گئے۔ انہوں نے بیان کیا کہ مدینہ میں لوگ حیران و پریشان ہیں، نہ حق کو پہچان سکتے ہیں اور نہ باطل سے گریز کر سکتے ہیں، نہ ان میں اپنی حفاظت کی طاقت ہے۔ یہ حالات سن کر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت عثمانِ غنیؓ کے خونِ بے گناہی کے قصاص اور فتنہ و فساد کی اصلاح کی دعوت دی۔ آپ کے راستے سے لوٹ آنے کی خبر سن کر بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تھے، آپؓ نے اُن کو مخاطب کر کے فرمایا:

"لوگو! مختلف علاقوں کے غرض مندوں، اجنبیوں اور اہل مدینہ کے غلاموں نے مل کر چند معمولی باتوں پر عثمانِ غنیؓ کو ظلماً شہید کر دیا، ان کے پاس اُن کے اس فعل کی کوئی وجہ اور دلیل نہیں، انہوں نے سرکشی کر کے محترم خون بہایا، بلدِ حرام اور شہرِ حرام کی حرمت کو پامال کیا، ناجائز طریقہ سے دوسرے کے مال پر قبضہ کیا۔ خدا کی قسم عثمانؓ کی ایک انگلی اُن جیسے سارے روئے زمین کے عوام سے بڑھ کر مقدس اور محترم ہے، میں اس لیے لوٹ آئی ہوں کہ عثمان ظلماً شہید کر دیئے گئے۔ اس شور و غوغا اور فتنہ و فساد کی اصلاح ایسے نہ ہوگی۔ عثمانؓ کے خون کا قصاص لے کر اسلام

کو معزز و محترم کردد۔"

ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی زبان سے خلیفۂ مظلوم کے قصاص کی دعوت پر ہزاروں مسلمان، جاں بازی و سرفروشی کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔ ایک مال دار صحابی یَعلیٰ بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم پیش کئے۔ مکہ کے گورنر عبداللہ بن عامر حضرمی نے چھ سو سواروں کے کل اخراجات کا انتظام کیا۔ تین ہزار جاں بازوں کی جماعت ام المؤمنین کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔

مسلمانوں کے لیے یہ بڑی آزمائش کی گھڑی تھی، یہ پہلا موقعہ تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ میں بے نیام ہونے والی تھیں۔

شہادت عثمانؓ کے کم و بیش ڈھائی ماہ بعد صفر ۳۶ھ ہجری میں جب ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ مکہ سے روانہ ہوئیں تو مسلمان زار و قطار روتے تھے۔ طبری کے الفاظ ہیں کہ۔ اس دن مسلمان، اسلام پر اتنا روئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ روئے تھے۔ اور اس دن کا نام ہی یوم النحیب یعنی یوم گریہ پڑ گیا۔

راستہ میں مخلص مسلمانوں کے اس ہجوم میں کچھ خود غرض اور فتنہ پرداز لوگ بھی شامل ہو گئے۔ جن کا کام اصلاح احوال کے بجائے جنگ اور فساد کی آگ کو بھڑکانا تھا، دونوں طرف کے سازشی اور فتنہ پرداز کامیاب

ہوئے۔ اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور امیر المؤمنین علیؓ بن ابی طالب کے درمیان وہ ناخوشگوار تصادم ہو کر رہا جس کو جنگِ جمل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کے بعد مسلمانوں میں باہمی افتراق اور تقابل و تصادم کا کبھی ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا، جس نے ملتِ اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ اور قوت و حشمت کو مفلوج کر دیا۔

جنگِ جمل کے نام سے مسلمانوں میں جو باہمی تصادم ہوا اس کا اُم المؤمنینؓ اور حضرت علیؓ دونوں کو بے حد ملال تھا۔ چنانچہ اختتامِ جنگ کے بعد حضرت علیؓ خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا اُم المؤمنین! آپ کا مزاج کیسا ہے؟ فرمایا۔ ٹھیک ہوں۔ حضرت علیؓ نے خفیف ندامت کے ساتھ فرمایا کہ خدا ہم دونوں کو معاف فرمائے۔

حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ پورے عزت و احترام کے ساتھ ام المؤمنین کو مکہ پہنچائیں، سواری، زادِ راہ اور تمام ضروری سامان ان کی خدمت میں پیش کیا۔ بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو ام المؤمنین کے ہمرکاب کیا، اور روانگی کے وقت خود رخصت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔

رخصت ہوتے وقت خود حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا:

"میرے بچو! یہ جنگ بعض غلط فہمیوں کا نتیجہ تھی، ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہیں لینا چاہیے میرے

اور علیؓ کے درمیان کچھ ایسی ہی رنجش تھی جو کبھی کبھار ساس اور داماد
کے مابین ہو جایا کرتی ہے۔"

حضرت علیؓ نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا۔ اور کئی میل تک ام المومنین کی سواری کے ساتھ گئے۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بھیجا اور حضرت عائشہؓ مکہ ہوتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔[1]

کوفہ بحیثیت دارالخلافہ

جنگِ جمل کے بعد رجب ۳۶ھ ہجری میں حضرت علیؓ کوفہ تشریف لائے اور مدینہ کے بجائے کوفہ کو مرکزِ خلافت قرار دیا، اس تبدیلی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرمِ نبویؐ کی جو توہین ہوئی اس نے علی مرتضیٰؓ کو مجبور کیا کہ وہ آئندہ حکومت کے سیاسی مرکز کو مذہبی مرکز سے الگ رکھیں۔

اس تبدیلی سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ مدینہ سیاسی انقلابات کا اکھاڑہ بننے سے بچ گیا اور اس کے بعد جو سیاسی ہنگامے ہوئے ان کا مرکز عراق رہا۔ مگر مدینہ کی سیاسی اہمیت اور مرکزیت ختم ہو گئی۔ حضرت

---

[1] طبری۔ جلد ۶

علی مسلمانوں کے مذہبی مرکز سے دور ہو گئے۔ اور بالآخر اس تبدیلی کے نتائج ان کے حق میں بھی بہتر اور مفید ثابت نہیں ہوئے۔

امیر معاویہؓ سے مخالفت

یوں تو حضرت علیؓ عثمانی عہد کے تقریباً تمام علاقائی گورنروں کے خلاف تھے۔ مگر خصوصیت سے امیر معاویہؓ سے ان کا اختلاف شدید نوعیت کا تھا۔ اس لیے زمامِ خلافت سنبھالنے کے فوراً بعد آپ نے امیر معاویہؓ اور دوسرے عثمانی حکام کو معزول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ آپؓ کے مخلص اور دور اندیش دوستوں اور خیر خواہوں نے اس فیصلہ کی مخالفت کی، مغیرہ بن شعبہؓ نے جو سیاست میں امیر معاویہؓ کے ہم رتبہ سمجھے جاتے تھے، حضرت علیؓ سے عرض کیا۔ "ابھی آپ معاویہؓ اور دوسرے عثمانی حکام کو ان کے عہدوں سے الگ نہ کیجئے۔ جب وہ بیعت کر کے آپ کی خلافت تسلیم کرلیں گے تب آپ اُن کے بارے میں جو فیصلہ چاہیں سو کریں۔" لیکن حضرت علیؓ نے سختی سے انکار کیا۔ فقیہِ اُمت حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی سمجھایا کہ ابھی معاویہؓ کو معزول نہ کیا جائے۔ اگر وہ اپنے عہدہ پر برقرار رہے تو وہ پھر اس بات کو اہمیت نہ دیں گے کہ خلیفہ کون ہے لیکن اگر انہیں فوری طور پر الگ کیا گیا تو قصاصِ عثمانؓ کی

دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہوں گے اور پورے شام و عراق کو آپ کے خلاف کر دیں گے۔ حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کا مشورہ بھی قبول نہ کیا اور ۳۶ھ ہجری میں تمام عثمانی گورنروں کو معزول کر کے ان کی جگہ نئے گورنر مقرر کیے۔ کم و بیش بیس سال سے امیر معاویہؓ شام کے گورنر تھے۔ خود بڑے مدبر اور سیاست داں تھے، یہاں ان کا بیحد اثر و رسوخ تھا، انہیں گورنری سے ہٹانا آسان کام نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے سہیل بن حنیف کو امیر معاویہ کی جگہ شام کا گورنر مقرر کر کے روانہ کیا۔ امیر معاویہؓ نے سہیل کو حدودِ شام میں بھی داخل نہ ہونے دیا، شام کی سرحد تبوک ہی سے انہیں واپس کر دیا، حضرت علیؓ کے حکم کی تعمیل تو بجائے خود رہی۔

امیر معاویہؓ کو معزول کرنے کے حکم کے ساتھ حضرت علیؓ نے ان کے پاس بیعت کے لیے علیحدہ خط روانہ کیا۔ امیر معاویہؓ نے اس موقعہ سے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنے سیاسی تدبر اور دور اندیشی کا ثبوت دیا، اس وقت بڑے بڑے صحابہ عثمانِ غنیؓ کی دردناک شہادت اور بالخصوص قاتلوں کو سزا نہ ملنے سے سخت متأثر و ملول تھے، امیر معاویہؓ نے اس موقعہ پر دمشق کی جامع مسجد میں عثمانِ غنیؓ کے خون آلود پیرہن اور اُن کی بیوی حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیوں کو دیدارِ عام کے لیے منبر پر آویزاں کر دیا۔ اس اندوہ ناک منظر سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے، لوگ جوق در جوق آتے

تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار و قطار روتے تھے۔ جو قاصد حضرت علیؓ کا خط لے کر آیا تھا، حضرت معاویہؓ نے اس کو روک لیا تھا، اس نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جب یہ قاصد حضرت علیؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا۔ شام میں کیا حال ہے؟ قاصد نے کہا۔ وہاں کے ساٹھ ہزار شیوخ عثمان غنیؓ کے خون آلود کپڑوں کو دیکھ کر رو رہے ہیں، قصاص لینے کا عہد کر چکے ہیں، اور سارا شام معاویہ کے ساتھ ہے۔

حضرت علیؓ صورتِ حال سے پوری طرح باخبر ہو گئے اور آپ کے سامنے سوائے جنگ کے کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ اور آپؓ نے حضرت معاویہؓ سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور بعینہٖ وہی صورتِ حال پیدا ہو گئی جس کی پیش گوئی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اوّل مرحلہ پر کر دی تھی۔

یہ دیکھ کر کہ ابھی جنگِ جمل میں بہا ہوا خون بھی خشک نہ ہونے پایا تھا کہ پھر مسلمانوں کی تلواریں آپس میں بے نیام ہونے والی ہیں۔ بہت سے مخلص اور خیر خواہِ امت مسلمانوں اور بزرگوں نے اس المناک صورت حال کو روکنے کی کوشش کی مگر ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور صفین کے میدان میں تاریخ اسلام کا ایک اندوہناک باب رقم ہو کر رہا۔

فریقین کی فوجیں دریائے فرات کے کنارے میدان صفین میں جمع ہو گئیں، بہت سے علماء، صلحاء اور حفاظِ قرآن نے میدانِ جنگ

میں بھی مصالحت کی کوششیں جاری رکھیں اور تین مہینے تک ان کی
کوششوں سے جنگ رکی رہی ۔ مگر آخر کار ان کوششوں کا بھی وہی
حشر ہوا جو پہلی کوششوں کا ہو چکا تھا ۔ جمادی الاول ۳۷ ہجری سے
باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو گیا ۔ کئی مہینے یہ سلسلہ جاری رہا ۔ اس کی تفصیلات
بہت طویل ہیں، مختصر یہ کہ نوّے معرکے ہوئے جن میں پنتالیس ہزار شامی
اور پچیس ہزار عراقی کام آئے ، ہزاروں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم
ہو گئے ، اس شدید خوں ریزی کے بعد جب حضرت علیؓ کی فتح قریب تر ہو گئی
تو پھر امیر معاویہؓ اور ان کے دستِ راست عمرو بن العاصؓ کی سیاست سامنے
آئی اور تحکیم کا مسئلہ کھڑا کر کے میدانِ جنگ کا نقشہ بدل دیا[1] اور امیر معاویہؓ
نے اس طرح ہاری ہوئی جنگ جیت لی ۔

---

[1] ان واقعات کی تفصیلات کامل ابن اثیر، تاریخ طبری اور اخبار الطوال
وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہے ۔

ایک نئی تحریک ـــــ خوارج

تحکیم کی تجویز طے ہونے کے بعد حضرت علیؓ کے حامیوں میں سے ایک جماعت آپ کے خلاف ہوگئی۔ اس جماعت نے تحکیم کو کفر قرار دیا، اسی وقت سے خارجی فرقہ کی بنیاد پڑگئی۔ یہی جماعت بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوئی، اس جماعت نے عبداللہ بن وہب کے ہاتھ پر بیعت کرکے حضرت علیؓ کی مخالفت شروع کردی، اس جماعت کا عقیدہ تھا کہ دین کے معاملات میں کسی شخص کو حَکَم اور ثالث بنانا کفر ہے۔ اور ایسے حَکَم کا فیصلہ ماننے والے کافر ہیں۔ اس جماعت نے کوفہ، بصرہ، مدائن اور عراق کے دوسرے بہت سے شہروں میں اپنی تنظیمیں قائم کرلیں اور ملک کے مختلف حصوں میں لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ خارجی ایک دہشت پسند تحریک بن گئی۔ مسلمانوں کے جان و مال ان کے ہاتھوں محفوظ نہ رہے، جو ان کی مخالفت کرتا اسے قتل کردیتے۔ خارجیوں کی یہ فتنہ انگیزی دیکھ کر لوگوں نے امیرالمومنین حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ ان کی سرکوبی کرکے مسلمانوں کو ان کے ظلم وستم سے بچایئے۔ نہروان خارجیوں کا مرکز بنا ہوا تھا، حضرت علیؓ نے وہاں کا رُخ کیا اور نہروان پہنچ کر ان کے خلاف کوئی جنگی کارروائی کرنے سے پہلے ان کو یہ پیام بھیجا:

"تمہارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو قصاص کے لیے ہمارے حوالے کر دو تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے شاید خدا تم کو سیدھی راہ پر لے آئے۔"

ان لوگوں نے جواب دیا کہ "ہم سب نے قتل کیا ہے اور ہم تم سب کا خون جائز اور حلال سمجھتے ہیں۔" [1]

اس کے بعد بھی حضرت علیؓ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت قیس بن سعدؓ کے ذریعے صلح کی بہت کوشش کی مگر خارجی برابر اپنی ضد پر قائم رہے، اور حضرت علیؓ کو مجبور ہو کر مقابلہ پر آنا پڑا۔ خارجی بڑی جاں بازی اور دلیری سے لڑے مگر امیر المومنین حضرت علی کے مقابل شکستِ فاش ہوئی۔

حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ میں مصالحت

مسلسل خانہ جنگی، خوں ریزی اور بدامنی سے گھبرا کر ۴۰ ہجری میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے آپس میں صلح کر لی۔ اس صلح کی رُو سے حجاز، عراق اور مشرق کا تمام علاقہ حضرت علیؓ کا تمام علاقہ حضرت علیؓ کے پاس

رہا اور شام، مصر اور مغرب کا حصہ حضرت معاویہؓ کے حصہ میں آیا [1]

فتوحات

حضرت علیؓ کا دَورِ خلافت پونے پانچ برس رہا۔ ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں چار پانچ سال کا عرصہ واضح اور فیصلہ کن نتائج حاصل کرنے کے لیے بہت مختصر بلکہ ناکافی وقفہ ہے اور پھر جب کہ وہ بھی اندرونی خلفشار کی نذر ہو جائے۔ حضرت علی کا پورا عہدِ خلافت خانہ جنگیوں میں گزرا۔ مسندِ خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے روزِ شہادت تک۔ آپ کو ایک دن کے لیے بھی اندرونی جھگڑوں سے فرصت نہ ملی اس لیے بیرونی فتوحات کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ پھر بھی سیستان اور کابل میں بعض فتوحات حاصل ہوئیں اور ۳۸ھ ہجری میں بحری راستہ سے کوکن پر حملہ ہوا [2]

فوج

حضرت علیؓ فطری طور پر جاں باز سپاہی اور میدانِ جنگ کے مرد تھے اس لیے آپ نے ملک کے اندرونی خلفشار اور بغاوتوں کے باوجود فوج

---

[1]، [2]۔ طبری۔ ابن اثیر اور فتوح البلدان سے تلخیص

پر پوری توجہ دی، صفین کے معرکہ میں اسی ہزار فوج آپ کے ساتھ تھی، جس نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ گو مسلسل لڑائیوں اور خانہ جنگیوں کے باعث آپ کو فوجی نظام میں کسی بنیادی اصلاح اور غیر معمولی ترقی کا موقعہ نہ ملا پھر بھی اس کے باوجود آپ نے ملک میں دفاعی ضرورت کے پیشِ نظر نئی فوجی چھاؤنیاں قائم کیں اور قلعے تعمیر کرائے، اصطخر کا قلعہ آپ ہی کے دورِ خلافت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

سرکاری ٹیکس

محکمۂ مال میں آپ نے بعض ایسی اصلاحات کیں جن سے ملکی آمدنی میں کافی اضافہ ہوا۔

آپ کے عہدِ خلافت سے پہلے جنگلات سے اجتماعی طور پر کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جاتا تھا، آپ نے جنگلات پر ٹیکس عائد کیا چنانچہ صرف برس کے جنگلات سے چار ہزار درہم سالانہ آمدنی ہونے لگی اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے جنگلات تھے جو حکومت کی آمدنی کا ذریعہ بنے۔

عوام کی سہولت کی خاطر آپ نے بعض چیزوں کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا مثلاً گھوڑے، نبی کریم علیہ السلام کے زمانے میں زکوٰۃ سے مستثنیٰ

تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں جب گھوڑوں کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی تو انہوں نے اس پر زکوٰۃ مقرر کر دی۔ حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسے منسوخ کر دیا[1]۔

حکام اور گورنروں کی نگرانی

حضرت عمر فاروقؓ اپنے دورِ خلافت میں حکام اور گورنروں کی پوری اخلاقی نگرانی رکھتے تھے جس سے آپ کا [illegible] یہ تھا کہ رعا[illegible] تکلیف نہ ہونے پائے۔ اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے [illegible] کی نگرانی کا پورا اہتمام کیا۔ آپؓ [illegible] وقتاً ان کو قیامِ عدل اور رعایا کے ساتھ نرمی اور حسنِ سلوک کی ہدایات کرتے رہتے، ان کے اعمال و افعال کا احتساب کرتے اور ان کی غلط روی کا تدارک کرتے۔

اصطخر کے حاکم منذر بن جارود کے متعلق آپ کے علم میں آیا کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و تفریح اور سیر و شکار میں گزارتے ہیں۔ لوگوں کے کاموں میں دلچسپی کم لیتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے ان کو تہدید آمیز انداز میں لکھا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے فرائضِ منصبی میں کوتاہی برت رہے

---

[1] کتاب الخراج۔ امام ابو یوسفؒ

ہو، اکثر سیر و شکار میں مصروف رہتے ہو، اگر یہ صحیح ہے تو میں تم کو اس کی سزا دوں گا، تمہارے گھر کا جاہل بھی تم سے بہتر ہے۔" تحقیقات کیں تو ان کے خلاف الزامات صحیح ثابت ہوئے اور آپ نے انہیں معزول کر دیا۔

تحریری باز پرس کے علاوہ کمیشن مقرر کر کے بھی حکام کے طرز عمل کی باضابطہ تحقیقات کرلتے تھے۔ چنانچہ کعب بن مالک انصاری کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر مامور کیا۔ اور یہ ہدایت کی:

"تم چند آدمیوں کو ساتھ لے کر عراق جاؤ اور ہر ہر ضلع میں گھوم پھر کر وہاں کے حکام کی تحقیقات کرو اور ان کی مصروفیات پر کڑی نظر رکھو۔" (کتاب الخراج۔ قاضی ابو یوسف)

تاجروں کا احتساب

بازار میں اشیا کے نرخ اور ناپ تول کی بذاتِ خود نگرانی کرتے تھے، آپ ہمیشہ اس بات پر کڑی نظر رکھتے تھے کہ تاجر چور بازاری نہ کرنے پائیں، اگر کسی چیز کی کمی ہے تو اس کی ذخیرہ اندوزی نہ کی جاسکے۔ اکثر دُرّہ لے کر بازار نکل جاتے اور دکانداروں کو حسنِ معاملہ حسنِ اخلاق اور ناپ تول میں دیانت داری کی ہدایت کرتے۔ [1]

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳

شہادت

نہروان کے معرکہ میں خارجیوں کو سخت نقصان پہنچا تھا، امیر المومنین کی فوجوں نے اُن کی وحدت اور جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا تھا، بچے کھچے لوگ میدانِ جنگ میں تو اپنی شکست کا انتقام لے نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے وہی راہ اختیار کی جو شکست خوردہ ذہن کیا کرتا ہے اس جماعت کے تین آدمیوں، عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر نے آپس میں مشورہ کیا کہ نہروان کی شکست کے بعد زندگی بے کار ہے، معاویہ اور علی دونوں میں سے کوئی بھی حکومت کا اہل نہیں۔ انہیں ختم کیے بغیر امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو، برک بن عبداللہ نے امیر معاویہؓ کو اور عمرو بن بکر نے عمرو بن العاص کو شہید کرنے کا بیڑا اٹھایا اور تینوں نے ایک ہی دن ۱۸ رمضان سنہ ۴۰ ہجری کو صبح کی نماز میں تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔ اتفاق سے عمروؓ بن العاص کے بجائے اس روز ایک اور شخص صبح کی نماز پڑھانے آیا تھا، ان کے دھوکے میں وہ مارا گیا، امیر معاویہؓ پر اوچھا وار پڑا اور وہ علاج معالجہ کے بعد ٹھیک ہو گئے۔ ابن ملجم حضرت علیؓ کی گزرگاہ میں چھپا ہوا تھا جب آپؓ نمازِ صبح کے لیے نکلے تو اس نے حملہ کیا، حضرت علیؓ کو کاری زخم آیا، آپ

آواز دی۔ لوگ دوڑ پڑے۔ ابن ملجم کو گرفتار کرلیا گیا، امیرالمؤمنین نے اس سے چند سوالات کرنے کے بعد امام حسنؓ اور دوسرے لوگوں سے فرمایا۔ "اس کی خاطر تواضع کرو، نرم بچھونا دو، اگر میں زندہ رہ گیا تو اپنے خون کا سب سے زیادہ دعوے دار ہوں گا اور قصاص لوں گا، یا معاف کردوں گا، اگر مر جاؤں تو اسے بھی میرے پیچھے روانہ کردینا۔ ربّ العالمین کے حضور اس سے جواب طلب کروں گا۔"

جندب بن عبداللہ نے پوچھا۔ اگر خدانخواستہ ہم آپ کو کھو دیں تو کیا امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں؟

امیرالمؤمنین نے فرمایا۔ "میں تمہیں نہ اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔ اپنی مصلحت تم بہتر سمجھتے ہو۔"

اس کے بعد آپؓ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو کچھ نصیحتیں فرمائیں۔ ۲۰ رمضان شب یک شنبہ ۴۰ھ ہجری کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کرتے ہوئے آپ معبودِ حقیقی سے جا ملے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

سیرتِ مرتضیٰ پر جامع تبصرہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی شہادت کے بعد ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے ایک مجلس نشین ضرار صدائیؒ سے امیر معاویہؓ نے پوچھا کہ حضرت علیؓ کے بارے میں کچھ بیان کرو۔! امیر معاویہؓ کے جواب میں صدائیؒ نے سیرتِ علیؓ کا خاکہ یوں کھینچا:

"وہ بلند حوصلہ اور بے حد قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلے کرتے تھے، ان کی ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا اور حکمت ٹپکتی تھی دنیا کی دلفریبیوں سے گھبراتے تھے۔ رات کی تاریکی اور اس کے سناٹے سے اُنس رکھتے تھے۔ عبرت پذیر اور بہت غور و فکر کرنے والے تھے، سادہ کھانا کھاتے تھے، ہم میں، ہم لوگوں کی طرح رہتے تھے، ہم جو کچھ پوچھتے اس کا جواب دیتے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ لیکن ہم لوگ ڈر کے مارے ان سے بات چیت نہ کر سکتے تھے، ان کے سامنے طاقتور باطل کی خواہش نہیں کر سکتا تھا اور کمزور انصاف سے

مایوس نہیں ہوتا تھا۔ میں نے بارہا دیکھا ہے کہ رات گزر رہی ہے۔ ستارے جھلملا رہے ہیں اور وہ اپنی ڈاڑھی مٹھی میں دبائے مارگزیدہ کی طرح آنسو بہا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ اے دنیا! کسی اور کو فریب دے، تو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے، میری مشتاق ہے۔ افسوس۔ افسوس میں نے تجھے تین طلاقیں دے دی ہیں، تیری عمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے، ہائے ہائے سفر طویل، راستہ وحشت ناک اور زادِ سفر تھوڑا ہے۔"

صدائی کی زبان سے حضرت علیؓ کے بارے میں یہ الفاظ سن کر امیر معاویہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہنے لگے۔ خدا ابوالحسن (علیؓ) پر رحم کرے۔ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے[1]۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا حزن و ملال

امیر المؤمنین حضرت علیؓ کی شہادت کی خبر کلثوم بن عمر کے ذریعے مدینہ پہنچی تو تمام شہر میں کہرام مچ گیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو آنسو نہ بہا رہی

---

[1] تاریخ اسلام جلد اوّل۔ شاہ معین الدین ندوی

ہو۔ بالکل وہی منظر درپیش تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت تھا۔ جب ذرا سکون ہوا تو صحابہ نے کہا چلو۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دیکھیں کہ رسول اللہؐ کے بھتیجے اور داماد کی شہادت کی خبر سے ان کا کیا حال ہے۔

حضرت زید کہتے ہیں کہ سب لوگ ہجوم کر کے حضرت عائشہؓ کے گھر گئے اور اجازت چاہی۔ ہم نے دیکھا کہ ام المومنینؓ غم سے نڈھال ہیں اور آنسو رواں ہیں۔ دوسرے دن مشہور ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر جا رہی ہیں۔ مہاجرین و انصار اپنے گھروں سے نکل آئے اور ام المومنین کے استقبال کے لیے راستے میں کھڑے ہو گئے۔ لوگ سلام کرتے تھے مگر ام المومنین شدتِ گریہ سے جواب نہیں دے سکتی تھیں۔ چادر تک نہیں سنبھلتی تھی۔ بار بار پیر دامن میں الجھتی اور آپ لڑکھڑا جاتیں۔ بدقت تمام روضۂ انور پر پہنچیں۔ لوگ پیچھے آ رہے تھے حجرہ میں داخل ہونے لگیں تو دروازہ پکڑ کر کھڑی ہو گئیں اور گلوگیر آواز میں فرمانے لگیں :-

"اے نبیِ رحمت۔ تجھ پر سلام! ابوالقاسم تجھ پر سلام!
رسول اللہ آپ پر آپ کے دونوں ساتھیوں پر سلام! میں
آپؐ کے محبوب ترین عزیز کی شہادت کی خبر لائی ہوں۔ بخدا

آپ کا چُنا ہوا حبیب، آپ کا منتخب کیا ہوا عزیز قتل ہو گیا، جس کی بیوی افضل ترین عورت تھی، واللہ وہ قتل ہو گیا جو ایمان لایا اور ایمان کے عہد میں پورا اترا، میں آنسو بہانے والی غمزدہ ہوں، اگر قبر کھل جاتی تو آپ کی زبان بھی یہی کہتی کہ " میرا عزیز ترین اور افضل ترین وجود قتل ہو گیا " [1]

ایک روایت میں ہے کہ اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ نے جب علیؓ مرتضیٰ کی شہادت کی خبر سُنی تو سرد آہ کھینچی اور فرمایا۔ " اب عرب جو چاہیں کریں کوئی انہیں روکنے والا نہیں " [2]

---

[1] عقد الفرید جلد ۲۔ واستیعاب۔ بحوالہ " اسوہ علیؓ "
[2] عقد الفرید جلد ۲۔ واستیعاب۔ بحوالہ " اسوہ علیؓ "

کتابیات

۱۔ قرآن مجید
۲۔ ازالۃ الخفاء ——— شاہ ولی اللہ دہلوی
۳۔ بخاری شریف
۴۔ العواصم من القواصم ——— ابوبکر بن العربی
۵ ترمذی شریف
۶۔ تاریخ اسلام ——— شاہ معین الدین ندوی
۷۔ تاریخ اسلام ——— اکبر شاہ نجیب آبادی
۸۔ تاریخ طبری
۹۔ ابن خلدون
۱۰۔ سیرۃ الاخوین ——— خالد گھرجاکھی

۱۱۔ الفتنۃ الکبریٰ ـــــــ طٰہٰ حسین
۱۲۔ سیرت عمرؓ بن الخطاب ـــــ ابن جوزی
۱۳۔ الشیخان ـــــــ طٰہٰ حسین
۱۴۔ خلافت راشدہ ـــــــ مولانا محمد ادریس کاندھلوی
۱۵۔ اسوۂ علیؓ ـــــــ رئیس احمد جعفری

آثار التنزیل

یہ کتاب ان گرانقدر خطبات کا مجموعہ ہے جو پرجوش عالم دین اور برطانیہ میں تبلیغ اسلام کا کام کرنے والے فاضل مقرر و مصنف علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب فارغ التحصیل علوم دینیہ، ایم اے (پنجاب) ایم اے برمنگھم۔ پی ایچ ڈی نے قرآن کریم کے تعارف کے لیے برطانیہ میں دیئے۔ متوسط تقطیع کی اس کتاب میں ذیل کے مضامین سے عالمانہ مگر عام فہم انداز سے بحث کی گئی ہے۔ ضرورۃ القرآن نزول القرآن تدوین القرآن۔ ترتیب القرآن۔ حفاظۃ القرآن۔ لسان القرآن۔ تراجم القرآن اعجاز القرآن۔ اسلوب القرآن۔ سُوَرُ القرآن۔ امثال القرآن۔ ارض القرآن تفسیر القرآن۔ آدابُ القرآن۔ اصطلاحات القرآن۔ تاثیر القرآن۔

ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور

منازل العرفان فی علوم القرآن

شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی رح جانشین مفسر و محدث بے بدل حضرت
مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح نے قرآن کریم کے نزول و ترتیب اور دیگر علوم پر یہ مبسوط
نیف قلمبند کر کے اردو میں اس فن کی کتابوں میں اضافہ کیا ہے اس میں مراتب تفسیر
ات مفسرین، اعجاز قرآن، مفاتح سور اور ربط مضامین، ناسخ و منسوخ
بلین قرآن کے مختلف گروہ، علوم قرآنیہ، صفات خداوندی، دلائل نبوت، تہذیب النفس
، تزکیہ و تخلیہ، تدبیر منزل، سیاست مدن اور مقاصد قرآن سے بحث ہے۔ متوسط
اطیع۔ عمدہ کتابت، آفسٹ طباعت۔ سنہری ڈائی کی جلد۔

ناشران قرآن لمیٹڈ اردو بازار لاہور